جملہ حقوق محفوظ

اس ناول کے نام، مقام، کردار اور
کہانی سے تعلق رکھنے والے اداروں
کے نام فرضی ہیں

مکمل سیٹ

- ۱ - پتھر کا آدمی
- ۲ - دوسرا پتھر
- ۳ - خطرناک انگلیاں

پبلشرز . . . . سلطان محمد

پرنٹرز . . . . تاج دین پریس

زیراہتمام . . . . کتابی دنیا لاہور

پیش رس

جاسوسی دُنیا کے ناول "صحرائی دیوانہ" کی پسندیدگی کا بہت بہت شکریہ ... !

جی ہاں، اسے بھی دو ہی حصوں میں پیش کرنا پڑا تھا اور مجبوری بھی آپ پر واضح کر دی گئی تھی۔ دراصل طویل سلسلوں کے پڑھنے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ جو کہانی ایک ہی جلد میں ختم ہو جائے، اسے پڑھ کر لوگ زیادہ خوش نہیں ہوتے۔ دراصل، لوگ لذتِ انتظار سے آشنا ہو گئے ہیں۔ پسندیدہ کہانیوں کے آگے بڑھنے کا اسی طرح انتظار کرتے ہیں جیسے کسی پسندیدہ مہمان کی آمد کے منتظر ہوں۔

اسے پیش بندی نہ سمجھئے گا۔ یہ حقیقت ہے۔ مجھے بھی اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔ ایک کہانی یاد آ رہی ہے، اس وقت ... عمران ہی کا ناول "ادھورا آدمی" تھا۔ جس کی کہانی، ایک ہی جلد میں ختم ہو گئی تھی۔ لہٰذا خاصی لے دے ہوئی تھی، اور مجھے اس کہانی کو دوبارہ کھینچنا پڑا تھا اور "ایڈلاوا" کا سلسلہ تشکیل پا گیا تھا۔ کیسا تھا وہ سلسلہ؟ کتنی بےچینی سے آپ، اس سلسلے کی کسی کتاب کا انتظار کرتے تھے۔

سو اب پتھر کا آدمی ملاحظہ فرمائیے۔ آپ خود ہی اندازہ لگا لیں گے کہ ایک سو بارہ صفحات میں یہ کہانی بھی نہیں نپٹائی جا سکتی تھی۔ آپ فرمائیں گے کہ پوری لکھ لینے کے بعد چھاپتے۔ لہٰذا میں عرض کروں گا کہ مجھے کسی سکندرِ اعظم کی طرف سے وظیفہ تو ملتا نہیں ہے کہ اطمینان سے چار ماہ تک بیٹھا، ایک ہی کہانی مکمل کرتا رہوں اور پھر کئی بار گزارش کر چکا ہوں کہ میرے پڑھنے والے زیادہ تر کتاب خرید کر پڑھتے ہیں۔ لہٰذا چاہتے ہیں کہ وہ زیادہ قیمت کی نہ ہو۔ ٹکڑوں میں وہ سو روپے کی کتاب بھی خریدنے کی استطاعت رکھتے ہیں۔ یکمشت نہیں خرید سکتے۔

اُخیر میں اُن تمام احباب کا شکریہ بھی ادا کرنا ہے جو مجھے اب تک عید کارڈ بھیجے جا رہے ہیں۔ باسی ہی سہی لیکن میں اُن کے خلوص کی قدر کرتا ہوں۔ عید تو ایک دن کی ہے لیکن آپ کا خلوص، میری ہر روز کی خوشی ہے۔

ابنِ صفی
۲۵
۹
۷۹

اس بار، اس زور سے پتھر لگا تھا کہ اس کی آواز دور تک سُنی گئی تھی اور ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ پتھر انسانی جسم کی بجائے پتھر ہی کی کسی شے سے ٹکرایا ہو۔

آس پاس کے لوگوں نے ان بچّوں کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا تھا جو اُس پر پتھراؤ کر رہے تھے۔ لیکن خود اُس پر اس کا کوئی اثر نہیں ہُوا تھا، بدستور جھومتا ہُوا چلا جا رہا تھا۔ نہ پَل بھر کے لیے رُکا اور نہ مُڑ کر دیکھا۔

راہگیروں نے اُن بچّوں میں سے ایک آدھ کی پٹائی بھی کر دی تھی جو اُس پر پتھراؤ کر رہے تھے۔ بچّے بھاگ گئے اور وہ معمول کے مطابق اپنا راستہ طے کرتا رہا۔ تن و توش کے اعتبار سے دیوزاد لگتا تھا۔ بڑے بڑے اُلجھے ہوئے بالوں اور بڑھے ہوئے شیو میں بھی اس کی ذاتی وجاہت کی جھلکیاں صاف نظر آتی تھیں۔ لباس ڈھیلا ڈھالا اور بے ہنگم تھا۔ اس کے باوجود بھی ایسا لگتا تھا جیسے اُس میں بھی کسی قسم کے سلیقے کو دخل ہو۔

کچھ دور تک وہ اسی طرح چلتا رہا پھر دوسرے علاقے کے بچّوں نے اُس پر خشت باری شروع کر دی اور وہ اسی اطمینان اور سکون سے چلتا رہا۔ یہاں بھی کچھ لوگ آڑے آئے تھے اور بچّوں کو بھگا دیا تھا لیکن کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اُسے روک کر پوچھتا کہ وہ کون ہے اور بچّوں کے ہاتھوں، اس طرح اپنی دُرگت کیوں بنواتا رہتا ہے؟ اگر کبھی کوئی اس ارادے سے اُس کی طرف بڑھتا بھی تو نظر ملتے ہی پیچھے ہٹ جاتا۔ اُسے ایسا محسوس ہوتا جیسے اس کا پورا جسم' برقی جھٹکے سے ہل کر رہ گیا ہو۔ بڑی بڑی اور غیر معمولی طور پر چمکیلی آنکھیں پَل بھر کیلئے بھی کسی کو اپنے سامنے نہ ٹِکنے دیتیں... لیکن آخر بچّے، اس پر پتھراؤ کیوں کرتے تھے؟... لوگوں کا کہنا تھا کہ کبھی اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہُوئی تھی

جسے دیوانگی پر محمول کیا جا سکتا۔ بچے، اس پر پتھر اُڈ کرتے تھے لیکن اس نے پلٹ کر کبھی اُن پر پتھر نہیں چلایا تھا، کبھی اس قسم کی بکواس بھی نہیں کی تھی کہ بچے اس کو چھیڑتے پچھلے ایک ماہ سے وہ شہر میں دیکھا جا رہا تھا۔ اس سے پہلے کہاں تھا یا کس حال میں تھا کوئی نہیں جانتا تھا لیکن آج کیپٹن فیاض کے اسسٹنٹ انسپکٹر شاہد نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ، اُس کے بارے میں معلومات ضرور حاصل کرے گا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ کوئی بیحد خطرناک آدمی ہے اور شاید اس طرح اپنی پبلسٹی کر رہا ہے۔ مقصد خواہ کچھ بھی ہو۔

وہ، اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔۔۔ اور کئی جگہ اس پر پتھراؤ کے مناظر دیکھے لیکن نہ تو اُس نے مڑ کر دیکھا اور نہ اس کی رفتار ہی میں فرق آیا۔ پھر انسپکٹر شاہد کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وہ بھی پتھر ہی کا آدمی ہو۔

چلتے چلتے وہ ایک بڑی لانڈری کے سامنے رُک گیا۔ بچے یہاں بھی موجود تھے اور اُن کے ارادے بھی صاف ظاہر تھے لیکن لانڈری کے مُلازمین نے اُنہیں بھگا دیا۔ پھر شاہد نے اُسے لانڈری میں داخل ہوتے دیکھا۔ کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی کو اس نے ہاتھ اُٹھا کر سلام کیا تھا۔

سلام کا جواب دے کر اُس نے بائیں جانب اشارہ کیا اور وہ اسی طرف بڑھتا چلا گیا اور بالآخر ایک دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔

اس کے بعد شاہد، لانڈری میں داخل ہوا اور کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی کو تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "یہ کون ہے؟"

"ہمارا دھوبی ہے، کیوں؟"

شاہد نے اپنا شناختی کارڈ، اس کے سامنے رکھ دیا، جس پر نظر پڑتے ہی وہ، کُرسی سے اُٹھ گیا اور بوکھلا کر بولا۔ "مگر کیوں جناب؟"

"اس کے بارے میں ہمیں معلومات درکار ہیں۔"

"بے حد شریف اور ایماندار آدمی ہے، جناب! دوسروں سے کم اُجرت لیتا ہے اور بہت تھوڑے وقت میں اپنا کام نپٹا دیتا ہے۔"

"کہاں کا باشندہ ہے؟ کہاں قیام کرتا ہے؟ کیا نام ہے؟"

"نام سنگزاد بتاتا ہے اور بس۔۔۔ اس سے زیادہ ہم، اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ اُجرت روزانہ ادا کر دی جاتی ہے۔ دوسرے دھوبی پچاس روپے سینکڑہ کے حساب سے دھوتے ہیں اور یہ صرف دس روپے سینکڑہ دھلائی لیتا ہے۔ کبھی کوئی۔۔۔ بے ایمانی نہیں کی۔ بیس دن سے ہمارے پاس کام کر رہا ہے۔"

"لانڈری کا مالک کون ہے؟" شاہد نے پوچھا۔

"میں خود ہوں، جناب!"

"مجھے حیرت ہے کہ آپ اپنے ایک مُلازم کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔"

"یہ مُلازم نہیں ہے، جناب! روزانہ اُجرت پر کام کرتا ہے اور وہیں کرتا ہے۔ کپڑے دھونے کے لیے اپنے گھر نہیں لے جاتا۔ سارے دھوبی یہاں اسی طرح کام کرتے ہیں۔ رہ گئے مُلازمین۔۔۔ تو ان کا ریکارڈ ہے، میرے پاس۔"

"کس کے توسط سے یہاں آیا تھا؟"

"ایک دھوبی، اسے اپنے ساتھ لایا تھا۔"

"کیا وہ دھوبی اس وقت یہاں موجود ہے؟"

"جی ہاں۔۔۔"

"اُسے بلوائیے۔"

"بہت بہتر۔" کہتے ہوئے اس نے گھنٹی بجائی اور کاؤنٹر کے دائیں جانب والا دروازہ کھول کر ایک آدمی وہاں پہنچ گیا۔

"سیدو کو بلاؤ۔"

وہ چلا گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد دوسرا آدمی بائیں جانب والے دروازے سے داخل ہوا۔ "صاحب کا تعلق پولیس سے ہے۔" لانڈری کے مالک نے شاہد کی طرف دیکھ کر اُس سے کہا۔ "اور یہ سنگزاد کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہے ہیں۔"

"پپ۔۔۔ پولیس۔۔۔ لل۔۔۔ لیکن کیوں؟"

"تم، اُسے کب سے جانتے ہو؟" شاہد نے کسی قدر سخت لہجے میں پوچھا۔

"ج... جی... یہی کوئی ایک ماہ سے۔"

"کہاں رہتا ہے؟"

"میرا پڑوسی ہے، جناب!"

"تم کہاں رہتے ہو؟"

"جھمرو نالے کی جھونپڑیوں میں۔"

"اور تم، اُسے صرف ایک ماہ سے جانتے ہو؟"

"جی ہاں، ایک ماہ ہُوا، اس نے میرے برابر والی جھونپڑی خریدی تھی۔ بیکار تھا، میں نے اُسے کام سے لگوا دیا۔"

"کیا وہ پاگل ہے؟"

"جی نہیں۔ بالکل نہیں۔"

"پھر بچے اس پر پتھراؤ کیوں کرتے ہیں؟"

"بس، کیا بتاؤں، جناب؟ پتا نہیں کس حرامی کی حرکت ہے؟ میں نے تو سُنا ہے، دیکھا نہیں کہ وہ کون حرامزادہ تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"کسی نے ایک دِن، ایک شریر بچے سے کہا کہ اگر وہ، اُسے پتھر مار کر بھاگ جائے تو وہ پانچ رُوپے دے گا۔ بچے نے بڑا سا پتھر اُٹھا کر اُس کی پیٹھ پر رسید کیا اور بھاگ گیا لیکن نہ تو اس نے مُڑ کر دیکھا اور نہ کچھ کہا۔ دوسرے بچوں نے یہ واقعہ دیکھا اور پھر اُن میں سے ہر کسی نے یہی حرکت کی لیکن وہ اسی طرح چلتا رہا جیسے کچھ ہُوا ہی نہ ہو۔ بس، پھر تو ایک نیا کھیل بچوں کے ہاتھ آ گیا۔ یہ ہے ساری کتھا۔ نہ وہ پاگل ہے اور نہ بدمعاش۔ ے حد شریف آدمی ہے۔ میں نے پُوچھا تھا کہ آخر وہ بچوں کو اس حرکت سے روکتا کیوں نہیں؟... ہنس کر بولا۔ جب چوٹ ہی نہیں لگتی تو پھر کچھ کہنے سے کیا فائدہ... کھیلنے دو، بیچاروں کو۔"

"کہاں سے آیا ہے؟"

"وہ خود بھی نہیں جانتا۔"

"کیا مطلب؟"

"جنابِ عالی! وہ نہیں جانتا کہ وہ کون ہے اور اُس کا نام کیا ہے۔"

"لیکن یہ سنگزاد...!"

"اس نے خود ہی یہ نام رکھ لیا ہے۔" لانڈری کے مالک نے کہا۔ "کہتا ہے جب مجھے پتھر سے چوٹ نہیں لگتی تو پھر مجھے کسی پتھر ہی نے جنم دیا ہو گا۔ لہٰذا یہ نام سنگزاد ہی مناسب رہے گا۔"

"کیا پڑھا لکھا معلوم ہوتا ہے؟"

"جنابِ عالی! بس، کیا عرض کروں؟" لانڈری کا مالک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

شاہد، اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔

"جی ہاں، مجھے تو وہ خاصا پڑھا لکھا لگتا ہے۔"

"اب میں، اسی سے براہِ راست گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

لانڈری کے مالک نے کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ اُسے طلب کیا اور پھر جیسے ہی شاہد کا سامنا اُس سے ہُوا، حلق کی خشکی حواس پر چھا گئی۔

"یہ ایک پولیس آفیسر ہیں۔" لانڈری کے مالک نے کہا۔ "تمہارے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

عجیب سی مُسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر نمودار ہُوئی، جو کم از کم شاہد کے نزدیک غصہ ہی دِلانے والی تھی لیکن اس نے بڑے ضبط سے کام لیا۔ ویسے وہ، اُس کی آنکھوں میں... براہ راست دیکھنے کی سکت خود میں نہیں پا رہا تھا۔

آخر اُس پُراسرار اجنبی نے لانڈری کے مالک سے پُوچھا۔ "کیا میں اپنے بارے میں کچھ جانتا ہوں؟"

"میں کیا بتاؤں؟"

"میں اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔"

"اور خود کو صحیح الدماغ بھی سمجھتے ہو؟" شاہد نے تلخ لہجے میں سوال کیا۔

"بالکل، اِن سے پُوچھیے . . . کیا یہ لوگ، مجھے صحیح الدماغ نہیں سمجھتے؟"

"بچے، تمہیں پتھر کیوں مارتے ہیں؟"

"یہ بچوں سے پُوچھیے۔ میں کیا بتاؤں؟"

"تمہیں، اس پر اعتراض کیوں نہیں ہوتا؟"

"کیا اعتراض نہ ہونا جُرم ہے؟"

شاہد بغلیں جھانک کر رہ گیا۔ پھر جلدی سے بولا: "تم کہاں سے آئے ہو؟"

"جہاں سے سب آئے ہیں۔"

"اے، سیدھی طرح بات کرو۔"

"کیا میں نے کوئی ٹیڑھی بات کی ہے؟" اجنبی نے لانڈری کے مالک سے سوال کیا اور وہ زیرِ لب کچھ بڑبڑا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"یہاں آنے سے پہلے کہاں رہتے تھے؟" شاہد کو غصّہ آگیا تھا۔

"میں عرض کر چکا ہُوں کہ میں نہیں جانتا۔ بس، یہاں سے میری یادداشت شروع ہوتی ہے کہ میں نے سیدو بھائی کے برابر والی جھونپڑی خریدی تھی۔"

"جھونپڑی خریدنے کے لیے رقم کہاں سے آئی تھی؟"

"میری جیب میں تھی۔"

"جیب میں کہاں سے آئی تھی؟"

"میں نہیں جانتا۔"

"کیا تم سے مشتبہ افراد کا سا برتاؤ کیا جائے؟"

"وہ کیسے ہوتا ہے؟"

"مشتبہ افراد کو ہم بند کر دیتے ہیں اور اس وقت تک نہیں چھوڑتے، جب تک اُن کے بارے میں پوری طرح معلومات نہ حاصل کر لیں۔"

"جیسی آپ کی مرضی۔" اس نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔ "میں، آپ کا بیحد شُکر گزار ہوں گا اگر میرے بارے میں معلومات فراہم کر دیں۔"

شاہد بڑی دُشواری سے اپنے غصّے پر قابو پا سکا تھا۔ یہی دِل چاہ رہا تھا کہ ریوالور نکال کر اُسے شُوٹ کر دے۔ لیکن اس کی بجائے محض نوٹ بُک نِکالنے پر قناعت کرنا پڑا۔

"تم اپنا صحیح پتا بتاؤ؟" اُس نے سیدو دھوبی سے کہا۔ اور وہ، اُسے اپنا پتا بتلانے لگا۔ نوٹ بُک کے صفحے پر قلم چلتا رہا پھر شاہد نے سر اُٹھا کر سیدو سے کہا۔ "اگر یہ کہیں غائب ہو گیا تو تم سے جواب طلب کیا جائے گا۔"

اجنبی کے ہونٹوں پر تحقیر آمیز مُسکراہٹ نمودار ہُوئی اور اُس نے آہستہ سے کہا۔

"آپ خواہ مخواہ دوسروں کو ملوث کر رہے ہیں۔ سیدھی سی بات ہے۔ مجھے اپنے ساتھ لے چلیئے۔"

"فضول باتیں مت کرو۔" شاہد پیر پٹخ کر بولا۔ "ہم، تمہاری نگرانی کرائیں گے۔"

"وقت اور انرجی کی بربادی۔"

"زبان بند کرو۔"

"جیسی آپ کی مرضی۔"

پھر شاہد وہاں نہیں رُکا تھا۔ خواہ مخواہ اُسے چھیڑ بیٹھا تھا۔ اس سے کوئی جُرم سرزد نہیں ہُوا تھا۔ بچے پتھر مارتے تھے اور وہ، اس کا نوٹس نہیں لیتا تھا۔ بس اتنی سی بات تھی۔ ہو سکتا تھا کہ وہ واقعی اپنے بارے میں کچھ نہ جانتا ہو، کسی حادثے میں اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہو۔ اگر اُسے مشتبہ قرار دیتا تو سوال پیدا ہوتا کہ کس سلسلے میں مشتبہ سمجھا جا رہا ہے؟

لانڈری سے نِکلا ہی تھا کہ ایک اخبار کے کرائم رپورٹر پر نظر پڑی، جو شاید وہاں اسی کا منتظر تھا۔ تیزی سے اس کی طرف آیا اور ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

"فرمائیے . . .؟" شاہد اس پر اُلٹ پڑا۔

"شاید بات نہیں بنی۔" رپورٹر مُسکرا کر بولا۔ "میں خود کئی دنوں سے جھک مار رہا ہوں۔"

"اچھا . . .!" شاہد نرمی سے بولا۔ رپورٹر، اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ اکثر و بیشتر

دونوں کی ملاقات ہوتی رہتی تھی ۔

"وہ ایسی باتیں کرتا ہے، جیسے یادداشت کھو بیٹھا ہو۔" رپورٹر نے کہا۔

"لیکن بے حسی کو کس خانے میں فِٹ کرو گے ؟" شاہد بولا۔

"واقعی حیرت انگیز ہے لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ پتھر مارنے کا سلسلہ کیسے شروع ہُوا ہوگا ؟"

"یہاں تم، مجھ سے پیچھے رہ گئے ہو۔" شاہد طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

"میں نہیں سمجھا...؟" رپورٹر چلتے چلتے رُک گیا۔

"میں جانتا ہُوں کہ پتھر مارنے کا سلسلہ کیسے شروع ہُوا تھا۔"

"میری طرف سے چائے کی دعوت قبول کرو۔ ہیگرٹی کے جھینگے تمھیں بہت پسند ہیں، مجھے عِلم ہے۔" رپورٹر مسکرا کر بولا۔

"لیکن اس کے باوجود بھی میں تمھیں نہیں بتاؤں گا۔"

"اگر یہ معلوم ہو جائے تو میرا فیچر مکمّل ہو جائے گا اور کل کے شمارے میں تمھاری پبلسٹی بھی ہو جائے گی۔ اس طرح فلیش کروں گا، تمھیں کہ تمھاری آیندہ نسلیں بھی تم پر فخر کریں گی۔ اور اس کا فائدہ تمھارے محکمے کو بھی پہنچے گا کہ وہ شہر میں ہونے والے سارے واقعات پر نظر رکھتا ہے۔"

شاہد نے سوچا۔ بات تو ٹھیک ہے۔ پھر اُسے ہیگرٹی کے جھینگوں کی دعوت قبول کر لینی چاہیئے۔

* * *

فیچر بڑی خوبصورتی سے چھاپا گیا تھا۔ سنگزاد کی متعدد تصاویر تھیں۔ جن میں کہیں اس پر پتھر برس رہے تھے... اور کہیں راہگیر، اُسے بچّوں کی یلغار سے بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ساتھ ہی مضمون کی دلچسپی نے اُس کی مزید قدر و قیمت بڑھا دی تھی۔

اس میں انسپکٹر شاہد کا مختصر سا قصیدہ بھی تھا جس نے اس واقعے کی طرف خصوصی توجہ دے کر یہ معلوم کر لیا تھا کہ اس بے ضرر آدمی پر پتھراؤ کرنے کی پہل کس طرح ہُوئی تھی۔ اور اب وہ، اُس آدمی کی تلاش میں تھا جس نے ایک بچّے کو پتھر مارنے کی ترغیب دی تھی۔

ترغیب دینے والے نے یہ فیچر پڑھا تو اُس کے ہاتھ پاؤں پھُول گئے۔ اُس سے تو کہا گیا تھا کہ یہ محض ایک تفریحی سلسلہ ہے لیکن پھر پولیس کہاں سے آ کُودی۔ محکمۂ سُراغرسانی کے کسی آفیسر کو اس سے کیا سروکار، جب کہ خود پتھر کھانے والے کو اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔

جہانگیر بہت معمولی قسم کا فریب کار تھا۔ کبھی سڑک پر مجمع لگا کر اُوٹ پٹانگ قسم کی ادویات فروخت کرتا تھا اور کبھی منجم بن کر بھولے بھالے دیہاتیوں سے کمائی کر لیتا تھا... اِن دِنوں بے کار تھا کہ ایک اچھی خاصی رقم کے عیوض یہ معمولی سا کام مِل گیا۔ ایک بچّے کو پانچ رُوپے دئیے اور اس نے سنگزاد کی پُشت پر پتھر جڑ دیا لیکن جہانگیر کو یقین تھا کہ اُس وقت وہاں، اُن بچّوں کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں تھا اور پھر وہی بچّہ، اُس سے ذرا دیر کو واقف ہُوا تھا جسے اُس نے پانچ رُوپے دئیے تھے۔

تو کیا اُس بچّے ہی سے پولیس آفیسر کو اُس کے بارے میں معلوم ہُوا ہوگا؟... بہر حال اُسے اس سلسلے میں اُس آدمی سے بات کرنی چاہیئے، جس نے اُسے اِس کام پر مامور کیا تھا۔

وہ چائے خانے سے باہر آ گیا۔ تھوڑی دُور پر ایک دوا فروش کی دُکان تھی۔ وہاں سے وہ فون پر اُس آدمی سے رابطہ قائم کر سکتا تھا۔

خوش قسمتی سے اس کی کال، اُسی آدمی نے ریسیو کی۔ ورنہ وہ تو سمجھا تھا شاید اُسے کئی بار کوشش کرنی پڑے گی۔

"مجھے یقین تھا کہ تم پریشان ہو جاؤ گے۔" دوسری طرف سے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا گیا۔

"کیا مجھے پریشان نہیں ہونا چاہیئے؟" جہانگیر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"قطعی نہیں ... کیا رکھا ہے ان باتوں میں۔ وہ، تم تک ہرگز نہ پہنچ سکے گا اور اگر تمہیں خدشہ ہے کہ اس کا سامنا ہو ہی جائے گا تو میرے پاس چلے آؤ۔ میں اُس سے نپٹنے کی تدبیر بتا دوں۔"

"کیا ابھی آجاؤں؟"

"ہاں، ہاں، آجاؤ۔"

ریسیور کریڈل پر رکھ کر اُس نے کال کے پیسے ادا کیے اور دُکان سے نکل آیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ رکشے میں بیٹھا ماڈل ٹاؤن کی طرف جا رہا تھا۔

اُسے یہ بھی تو نہیں معلوم تھا کہ اس کھیل کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔ ویسے اس آدمی سنگزاد کی شخصیت، اُس کے لیے بھی حیران کُن تھی... اور وہ خود بھی تو اُس کی ٹوہ میں رہنے لگا تھا۔ لیکن یہ معلوم کر کے اُسے بڑی مایوسی ہُوئی تھی کہ وہ ایک لانڈری میں کپڑے دھوتا ہے... پھر کیا یہ بھی عجیب بات نہیں تھی کہ اس پر پتھر برسوانے والا ماڈل ٹاؤن کی ایک عظیم الشان کوٹھی کا مکین ہے۔ بھلا اس دولتمند آدمی کو ایک دھوبی سے کیسا سروکار۔ اگر اُسے انتقامی کارروائی سمجھا جائے تو کیا طریق کار عجیب نہیں تھا۔

رکشہ، اُس نے ایک کوٹھی کے پھاٹک کے سامنے رُکوایا اور کرایہ ادا کر کے پھاٹک کی طرف بڑھا ہی تھا کہ پٹھان چوکیدار نے ذیلی کھڑکی کھول کر سر نکالا۔

"تم جہانگیر ہے؟" اُس نے پوچھا۔

"ہاں، بھائی...!"

"اندر آجاؤ۔ صاحب ہمیں پہلے سے ہی بولا تھا۔"

وہ ذیلی کھڑکی سے کمپاؤنڈ میں داخل ہُوا۔ ایک بار پہلے بھی یہاں آچکا تھا۔ لہٰذا جانتا تھا کہ اُسے عمارت کے کس حصے میں جانا ہے۔

وہ اُسے برآمدے ہی میں مِل گیا۔ چھوٹے سے قد کا ایک دُبلا پتلا اور بُوڑھا آدمی تھا لیکن چال ڈھال سے خاصا پھرتیلا معلوم ہوتا تھا اور آنکھوں سے تو بے پناہ توانائی کا اظہار ہوتا تھا۔

جہانگیر سے مصافحہ کرتے وقت ہنس پڑا۔ جہانگیر بھی بے دِلی سے ہنسا تھا۔

"آؤ، اندر آجاؤ۔" بُوڑھا سِٹنگ رُوم کی طرف بڑھتا ہُوا بولا۔ یہاں اعلیٰ درجے کا فرنیچر بہت سلیقے سے لگایا گیا تھا۔

"آرام سے بیٹھ جاؤ۔ ایسی بھی کیا پریشانی۔" اُس نے صوفے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"صاحب! یہ پولیس کا چکر سمجھ میں نہیں آیا۔"

"ارے وہ... کچھ نہیں۔ اخبار والوں نے ایک خوبصورت سی کہانی بنائی ہے اور اس آفیسر کی تھوڑی سی پبلسٹی کر دی ہے۔"

"لیکن صاحب، آخر یہ معاملہ کیا ہے؟ اتنے سے کام کے لیے آپ نے مجھے پانچ سو رُوپے دیئے تھے... اور اب یہ پولیس والا..."

"کیا تم نے کوئی جرم کیا ہے؟"

"جی نہیں... ایسی صُورت میں اسے جُرم نہیں کہا جا سکتا۔ جب کہ پتھر کھانے والے کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"گڈ... خاصے سمجھدار آدمی ہو۔ اس لیے پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں اور پھر مجھے یقین ہے کہ وہ تم تک پہنچ ہی نہ سکے گا۔"

"ہو سکتا ہے لیکن آپ میری یہ اُلجھن رفع کر دیجئے۔ وہ ایک معمولی سا دھوبی ہے اور آپ اتنے بڑے آدمی ہیں۔"

"تم نہیں سمجھے۔ اچھا چلو، میں تمہیں اس کی ماں سے ملواؤں۔ وہ پتھروں سے سر ٹکراتی ہے۔ پتھر چُور چُور ہو جاتے ہیں لیکن اس کے سر پر معمولی سی خراش بھی نہیں آتی۔"

"کمال ہے۔"

"چلو، اُٹھو... تمہیں سنگزاد کی کہانی بھی وہی سُنائے گی۔"

"کہاں چلنا ہو گا؟"

"بندرگاہ تک۔ وہاں میری ایک کشتی بھی ہے۔ جس کے عملے کے لیے وہ کھانا

پکاتی ہے۔ میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں، اسی کے لیے کر رہا ہوں۔"

"میں ضرور چلوں گا، جناب!" جہانگیر اٹھتا ہوا بولا۔

"اور پھر تمہارا دل چاہے تو تم بھی فی الحال اسی کشتی پر رک جانا۔ جب معاملہ ٹھنڈا پڑ جائے تو واپس آجانا۔ کشتی کو دیکھ کر خوش ہو جاؤ گے۔ ساری آسائشیں اس پر مہیا ہیں۔ بس ایک تیرتا ہوا مکان سمجھ لو، اسے۔"

"بہت بہتر جناب! میں وہیں رک جاؤں گا۔"

تھوڑی دیر بعد ایک لمبی سی کار کوٹھی کے کمپاؤنڈ سے نکلی جسے بوڑھا خود ہی ڈرائیو کر رہا تھا اور جہانگیر اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔

"میں بڑے آدمیوں کی تفریحی کشتیوں کے بارے میں سنا کرتا تھا۔ آج دیکھ بھی لوں گا۔" جہانگیر نے پُرمسرت لہجے میں کہا۔

"بلکہ اس پر کچھ دن قیام بھی کرو گے۔"

"خوش قسمتی میری۔"

ساحل پر پہنچ کر گاڑی پارکنگ لاٹ میں کھڑی کر دی گئی اور وہ، ڈاک کی طرف بڑھے۔ لیکن جہانگیر کو اس وقت بڑی حیرت ہوئی، جب اس نے بوڑھے کو ایک چھوٹی سی موٹر بوٹ پر چڑھتے دیکھا۔ یہ اتنی چھوٹی تھی کہ اس پر بمشکل پانچ یا چھ افراد ہی بیٹھ سکتے تھے۔

"یہ کشتی..." اس نے کسی قدر ہچکچاہٹ سے کہا۔

"ارے نہیں..." بوڑھا زور سے ہنس کر بولا۔ "اس پر بیٹھ کر ہم اس کشتی تک پہنچیں گے۔ دراصل میرے کچھ مہمان، آسے مچھلیوں کے شکار کے لیے آگے ے گئے ہیں۔"

"اچھا... اچھا۔" جہانگیر نے کہا اور خود بھی موٹر بوٹ میں بیٹھ گیا۔

بوڑھے نے موٹر بوٹ کا انجن اسٹارٹ کیا اور اسے گہرے پانی کی طرف موڑتا ہوا زور سے بولا۔ "تم آخری سرے پر بیٹھ جاؤ، تاکہ بیلنس رہے۔"

"بہت اچھا، جناب!" جہانگیر درمیانی سیٹ سے اٹھ کر دوسرے سرے پر چلا گیا۔ یہاں سمندر پُرسکون تھا لیکن جہانگیر سوچ رہا تھا کہ آگے تلاطم ضرور ہو گا۔ اس لیے سنبھل کر بیٹھنا چاہیئے۔

بوڑھا دوسرے سرے پر اس کے مقابل بیٹھا عجیب انداز میں مسکراتا رہا تھا۔ کشتی جلد ہی کھلے سمندر میں آگئی۔ دور دور تک کوئی دوسری کشتی نظر نہیں آ رہی تھی جہانگیر خاموش بیٹھا، اس کی مسکراہٹ کو کوئی معنی پہنانے کی کوشش کر رہا تھا۔

دفعتہً بوڑھے نے جیب سے ریوالور نکال کر اس کا رُخ جہانگیر کی طرف کر دیا۔

"جج... جی... کک... کیا مطلب؟" جہانگیر نے بوکھلا کر اٹھ کھڑے ہونے کی کوشش کی اور ٹھیک اسی وقت سائیلنسر لگے ہوئے پستول سے بے آواز فائر ہوا۔ گولی جہانگیر کی پیشانی پر لگی اور وہ پانی میں الٹ گیا۔

موٹر بوٹ آگے بڑھتی چلی گئی تھی۔

آئی۔ ایس۔ آئی کے ڈائریکٹر کرنل فیضی نے سنگزاد والا فیچر اخبار میں پڑھا اور کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ چہرے کے تاثرات سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی مسئلے پر یقین و تشکیک کی کشمکش میں مبتلا ہو۔ پھر اس نے انٹرکام کا بٹن دبا کر کسی کو مخاطب کیا۔ "گرین فائل تھرٹین چاہیئے، فوراً۔"

"او کے، سر!" کسی نے جواب دیا۔

انٹرکوم کا سوئچ آف کر کے کرنل فیضی نے جیب سے سگریٹ کیس نکالا اور ایک سگریٹ منتخب کر کے سلگانے ہی والا تھا کہ میز پر رکھے ہوئے سرخ انسٹرومنٹ کا بزر بول اٹھا۔

"یس سر...!" اس نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

"کیا تم مصروف ہو؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"جی ہاں، ایک مسئلہ ابھی ابھی سامنے آیا ہے اور فوری توجہ کا طلبگار ہے۔"

"کیا اسٹار کے اس فیچر کی طرف اشارہ ہے؟"

"درست ہے، جناب! میں نے گرین فائل تھرٹین نکلوایا ہے۔"

"گڈ... " دوسری طرف سے آواز آئی۔ "فائل سمیت میرے آفس میں آجاؤ۔"

"بہت بہتر، جناب!" کرنل فیضی نے کہا اور دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہونے کی آواز سُن کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

یہ ڈائریکٹر جنرل کی آواز تھی، سگریٹ سُلگاتے وقت، اُس نے اپنے ہاتھ میں لرزش محسوس کی۔

اس کا پرسنل اسسٹنٹ تھوڑی دیر بعد ایک فائل لیے ہُوئے کمرے میں داخل ہوا۔

"ٹھیک ہے، بس جاؤ۔" اس نے اُسے فائل میز پر رکھ دینے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ پرسنل اسسٹنٹ کی آنکھوں میں حیرت کے آثار نظر آئے۔ شاید کرنل فیضی کا یہ انداز اس کے لیے غیر معمولی تھا۔

بہرحال، وہ، اس کے حکم کی تعمیل کر کے اُلٹے پاؤں واپس چلا گیا۔ کرنل فیضی نے سگریٹ کے کئی گہرے گہرے کش لیے اور اُسے ایش ٹرے میں رگڑتا ہُوا اُٹھ گیا۔

ڈائریکٹر جنرل کے آفس میں داخلے کے لیے اُسے چند منٹ انتظار کرنا پڑا تھا۔

آئی۔ ایس۔ آئی کا ڈائریکٹر جنرل راؤ ایک بے حد خشک مزاج آدمی تھا۔ ماتحت اُس کا سامنا کرنے سے خائف رہتے تھے۔

خود کرنل فیضی اپنے گھٹنوں میں لرزش سی محسوس کر رہا تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" اُس نے کرنل فیضی کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"تھینک یو، سر!" کہتا ہُوا کرنل فیضی بیٹھ گیا۔

"فائل..." جنرل نے اُس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ کرنل فیضی نے اتنی احتیاط سے فائل، اُس کے ہاتھ میں دیا تھا جیسے وہ شیشے کا ہو۔ اسٹار کا تازہ شمارہ بھی میز پر

پڑا ہُوا تھا۔ جنرل، فائل کی ورق گردانی کر کے اُس کی بعض تصویریں، اسٹار میں شائع ہونے والی تصویروں سے مِلاتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد طویل سانس لے کر بولا۔ "اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔"

فیضی کچھ نہ بولا۔

آخر جنرل ہی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "فی الحال، اس کی صرف نگرانی کراؤ لیکن اُس آدمی کا سُراغ مِلنا بے حد ضروری ہے جس نے بچوں کو اس پر پتھر چلانے کی ترغیب دی تھی۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا، جناب!"

"اس آدمی انسپکٹر شاہد کو اپنے اعتماد میں لینے کی کوشش کرو۔"

"اور سنگزاد کی صرف نگرانی کرائی جائے!" کرنل فیضی نے پوچھا۔

"ہاں... اور اُس کے تحفظ کا بھی خیال رکھا جائے۔"

"بہت بہتر، جناب!"

جنرل راؤ نے فائل، اس کی طرف بڑھاتے ہُوئے بائیں ہاتھ کو اس طرح جنبش دی جیسے ملاقات کا وقت ختم ہو چکا ہو۔

کرنل فیضی، اُس کے آفس سے باہر آگیا۔ اُس کے چہرے پر گہری تشویش کے آثار تھے۔

کیپٹن فیاض آپے سے باہر ہو رہا تھا اور انسپکٹر شاہد اس طرح سر جھکائے کھڑا تھا جیسے اس سے بڑی غلطی پہلے کبھی سرزد نہ ہُوئی ہو۔

"تمھیں کیا ضرورت تھی کہ اس حد تک جاتے؟" فیاض پھر گرجا۔ "آخر کس بات کا شبہ تھا، اس پر!"

"یب... بس کیا عرض کروں، جناب... بس شامت...!"

"اگر بچپن کی کوئی جبلت اُبھر آئی تھی تو اس کرائم رپورٹر سے گفتگو کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ اپنے طور پر اُس عجوبے سے متعلق فیچر چھاپ سکتا تھا۔ اس کا پیشہ ٹھہرا۔ اسی کی روٹی کھاتا ہے۔"

شاہد خاموش ہی رہا۔ یہ تو ممکن نہیں تھا کہ "روٹی" کے حوالے پر اُن جھینگوں کا تذکرہ کر بیٹھتا جو رپورٹر نے اسے کھلائے تھے۔

"اب دیکھنا، کیسا دماغ خراب کرتے ہیں، آئی۔ ایس۔ آئی والے۔" کیپٹن فیاض اُسے قہر آلود نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔ "پتا نہیں، کیا چکر ہے؟"

"آخر آئی۔ ایس۔ آئی والے کیوں؟"

"میں نہیں جانتا۔ آئی۔ ایس۔ آئی کا ڈائریکٹر کرنل فیضی تم سے ملنا چاہتا ہے۔ آج شام کو پانچ بجے آرمی آفیسرز کلب میں اُس سے ملو۔"

"لیکن وہاں میرا داخلہ کس طرح ہوگا؟"

"کرنل فیضی کے حوالے سے۔ کلب کا کوئی ذمے دار آدمی تمہیں اس کی میز پر پہنچا دے گا۔"

"کس جنجال میں پڑ گیا؟"

"مجھے اطلاع ملی ہے کہ بہت دنوں سے یہ سلسلہ جاری تھا۔"

"جی ہاں۔" شاہد نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔ "لیکن کسی نے بھی اس طرف توجہ نہیں دی تھی اور فیچر چھپتے ہی آئی۔ ایس۔ آئی والے بھی چڑھ دوڑے اور وہ مردود کرائم رپورٹر۔۔"

"اُسے گالیاں کیوں دے رہے ہو؟" فیاض، اُسے گھورتا ہُوا بولا۔

"میری اس حماقت سے پہلے ہی اُس نے فیچر کیوں نہیں چھاپ دیا تھا۔"

"تمہارے تذکرے کے بغیر اُس کی کوئی اہمیت نہ ہوتی۔ اس میں اتنا سسپنس ہرگز پیدا نہ ہوتا۔"

"بہر حال۔۔۔" وہ طویل سانس لے کر کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔ فیاض استفہامیہ انداز میں اُسے دیکھتا رہا۔

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا، جناب!" شاہد نے بالآخر کہا۔

"ٹھہرو!" فیاض نے ہاتھ اُٹھا کر پُر تفکر لہجے میں کہا۔ "فیچر میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ پتھر چلانے کی ابتدا کے بارے میں تمھیں کس نے بتایا تھا۔"

"سیدو دھوبی نے بتایا تھا۔ وہ، اس کا پڑوسی ہے۔"

"شاید تم نے رپورٹر سے ذریعے کا ذکر نہیں کیا تھا۔"

"جی نہیں۔"

"یہ تم نے اچھا کیا تھا۔ اب کم از کم تم آئی۔ ایس آئی والوں سے اپنا پیچھا تو چھڑا سکو گے۔"

"میں نہیں سمجھا، جناب؟"

"وہ تم سے کوئی ایسی بات معلوم کیے بغیر تمھارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ جس کا ذکر فیچر میں نہ ہو۔"

"اوہ۔۔۔ تو سیدو دھوبی کے حوالے پر میں، انہیں مطمئن کر سکوں گا؟"

"بالکل۔۔۔ اگر وہ، انہی کا کوئی دردِ سر ہے تو خود سیدو دھوبی کو کھنگال لیں گے۔"

"اس رہنمائی پر میرا شکریہ قبول فرمائیے، جناب! اب میں سارا زور سیدو دھوبی ہی پر صرف کر دوں گا۔"

"بس، جاؤ۔۔۔ ٹھیک پانچ بجے۔۔۔ آرمی آفیسرز کلب۔۔۔ کرنل فیضی نام یاد رکھنا!"

شاہد سیلوٹ کر کے باہر آگیا لیکن شاید ابھی مزید حماقتیں اُس کے مقدر میں لکھی ہوئی تھیں۔

وہ سوچ رہا تھا کہ سیدو دھوبی کا قصّہ اپنی جگہ۔۔۔ لیکن اگر کرنل فیضی، سنگزاد کے بارے میں پُوچھ بیٹھا تو کیا بتائے گا۔۔۔ ضرور پوچھے گا کہ اُسے اس پر کس نوعیت کا شُبہ تھا۔

کیا بتائے گا، آخر؟ سوچتا اور بور ہوتا رہا۔ فیاض سے صرف ڈانٹ سُنی تھی یا پھر سیدو دھوبی والا نکتہ ملا تھا۔ اصل بات تو یہ تھی کہ آخر اُس نے سنجیدگی سے اس کا تعاقب

کیوں شروع کیا تھا؟ سرکاری آفیسر اس لیے نہیں ہوتے کہ دیوانوں کے پیچھے دوڑتے پھریں لیکن آئی۔ ایس۔ آئی والوں کے الرٹ ہو جانے کا یہ مطلب تھا کہ واقعی کوئی خاص بات تھی۔ اگر اُن کے نزدیک کوئی خاص بات تھی تو وہ اُس سے ایک ایک لمحے کا حساب لیں گے۔

اسی اُلجھن میں اُسے احمق اعظم عمران کا دھیان آیا اور وہ اُچھل پڑا۔ ہر چند کہ فیاض کے توسط سے وہ، عمران پر غرّاتا ہی رہتا تھا لیکن اُسے یقین تھا کہ جس طرح عمران فیاض کے کام آتا تھا، اسی طرح اس کی یہ مشکل بھی آسان کر دے گا۔ یعنی وہ، سنگزاد کے تعاقب کی کوئی معقول وجہ ضرور تلاش کرے گا۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر اُس نے عمران کے فلیٹ کے نمبر ڈائیل کیے۔ دوسری طرف سے نسوانی آواز سُنائی دی۔

"کیا عمران صاحب تشریف رکھتے ہیں؟" شاہد نے پُوچھا۔

"رکھتے ہیں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"میں انسپکٹر شاہد بول رہا ہوں۔"

"ایک منٹ ہولڈ کیجئے۔"

دوسری بار اس نے سلیمان کی آواز سُنی جس نے بہت کڑک کر پُوچھا... "کیا بات ہے؟"

"تمہارے لیے ایک کلو امرتیاں خریدی ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ۔ پھر کب تشریف لا رہے ہیں۔ آپ نے خوب یاد رکھا کہ مجھے امرتیاں پسند ہیں۔"

"میرے پہنچنے تک عمران صاحب کو فلیٹ ہی میں روکے رکھو۔"

"وہ تو رُکے ہُوئے ہی ہیں۔ لوبان کی دُھونی لے رہے ہیں۔ اس کے بعد بیسن کے لڈو اور بالائی کھائیں گے۔ کم از کم پون گھنٹے کا نسخہ ہے۔ آپ بے فکری سے آجائیے۔"

"اچھا..." کہہ کر شاہد نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اُسے توقع نہیں تھی کہ عمران، فیاض سے اس مُلاقات کا تذکرہ کرے گا۔

اس نے باہر آکر موٹر سائیکل سنبھالی اور عمران کے فلیٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں حسبِ وعدہ سلیمان کے لیے امرتیاں بھی خریدی تھیں۔

سلیمان نے سٹنگ رُوم میں اس کا استقبال کیا اور امرتیوں کا ڈبّہ سنبھالتے ہُوئے آہستہ سے کہا: "ابھی دُھونی ہی لے رہے ہیں۔"

"کیا واقعی؟" شاہد نے حیرت سے پُوچھا۔

"جی ہاں، جب سے مَر کر زندہ ہُوئے ہیں، یہی حال ہے۔ روزانہ لوبان کی دُھونی لیتے ہیں اور بیسن کے لڈو، بالائی کے ساتھ کھاتے ہیں۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔"

"کل ایک پڑوسی کو باری کے بخار کا تعویذ بھی دیا تھا۔ شیو نہیں کرتے۔ کہتے ہیں: داڑھی رکھیں گا۔ کل جوزف نے رو رو کر اُن کا شیو کرایا تھا۔"

"کیا قصّہ ہے؟"

"آج رات قوالوں کو بھی بُلایا ہے۔ آپ بھی آئیے گا... ٹھہرئیے میں، آپ کے لیے کافی لاتا ہوں۔"

"تکلف کی ضرورت نہیں۔ میں انتظار کروں گا۔"

"ویسے میں نے اِطلاع دے دی ہے کہ آپ تشریف لائے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔"

"لیکن شاید اب انہیں پولیس والوں سے مِلنا گوارا نہیں ہے۔"

"یہ کِس بِنا پر کہہ رہے ہو؟"

"آج صبح کسی سے فون پر کہہ رہے تھے۔ اچھا جی بس، میں ابھی آیا۔ آپ کے لیے کافی لا رہا ہوں۔" سلیمان نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔

شاہد تنہا بیٹھا رہا... پھر کافی آنے سے پہلے ہی عمران کمرے میں داخل ہُوا۔ شاید

باہر جانے کے لیے تیار تھا۔

"اوہ... ہلو!" اس نے شاید کو دیکھتے ہی مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

شاہد نے بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کیا لیکن عمران، اُسے ایسی نظروں سے دیکھے جا رہا تھا جیسے اُس کی دماغی صحت پر یقین نہ ہو۔

"غالباً آپ، مجھے بھولے نہ ہوں گے؟" شاہد نے کہا۔

"عذابِ قبر بھی مجھے ہر وقت یاد رہتا ہے۔"

"مجھ پر طنز نہ کیجیے۔ میں کیپٹن فیاض کا ماتحت ہوں۔ جو کچھ بھی کرتا ہوں، انہی کے حکم سے کرتا ہوں لیکن جتنی قدر آپ کی میرے دل میں ہے اس کا اظہار ممکن نہیں ہے۔"

"تو کیا کیپٹن فیاض صاحب نے مجھے یاد فرمایا ہے؟"

"جی نہیں، اپنی ایک ضرورت لائی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ تشریف رکھیے۔"

شاہد بیٹھ گیا اور عمران اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھتا رہا۔ اتنے میں سلیمان کافی لے آیا۔ ایک پلیٹ میں دو امرتیاں بھی بڑے اہتمام سے رکھ کر لایا تھا۔ امرتیوں پر نظر پڑتے ہی عمران نے دیدے نچائے اور پھر سلیمان کو گھورنے لگا۔

"انسپکٹر صاحب، میرے لیے لائے تھے۔" سلیمان جلدی سے بولا۔

عمران نے طویل سانس لی اور پوری طرح شاہد کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"آپ نے آج کا اسٹار دیکھا؟" شاہد نے عمران سے پوچھا۔

"نہیں۔ میرے پاس صرف اُردو کے اخبار آتے ہیں۔"

"بہر حال، ذرا اسے ملاحظہ فرمائیے۔" شاہد نے فیچر والا صفحہ جیب سے نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"ہوں، اچھا... آپ کافی پیجیئے۔"

"اور امرتیاں بھی کھائیے۔" سلیمان بولا۔ عمران نے ہاتھ ہلا کر اُسے دفع ہو جانے کا اشارہ کیا۔ وہ بڑی دلچسپی سے فیچر دیکھ رہا تھا۔

"خوب..." تھوڑی دیر بعد سر ہلا کر رہ گیا اور فیچر پڑھتا رہا۔ شاہد خاموشی سے کافی پی رہا تھا۔

"بہت اچھے جا رہے ہیں، آپ!" بالآخر عمران سر اُٹھا کر بولا۔

"اچھا جا رہا ہوں یا مجھ سے ایک بڑی حماقت سرزد ہوئی ہے۔" شاہد نے قدرے لبسور کر کہا۔

"یہی مطلب تھا میرا... حماقت کی رفعتیں کوئی مجھ سے پوچھے۔"

"میں سنجیدگی سے اس مسئلے پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"حماقت اور سنجیدگی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ آپ حق بجانب ہیں۔"

"آپ کو اس میں کوئی خاص بات نظر آئی۔"

"ایک خامی نظر آئی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"اس ذریعے کی وضاحت نہیں ہے جس کے مطابق کسی نے ایک بچّے کو تھرمل پر اُکسایا تھا۔"

"جی ہاں، میں نے دیدہ و دانستہ یہ بات رپورٹر کو نہیں بتائی تھی۔"

"دوسری بات یہ کہ یادداشت ختم ہو جانے کی بنا پر آدمی اس حد تک بے حس نہیں ہو جاتا کہ اُسے چوٹ نہ لگے۔"

"جی ہاں..."

"اس کے علاوہ اور کیا جاننا چاہتے ہو؟"

"یہی کہ آخر کس شبہے کی بنا پر میں نے اس کا تعاقب شروع کیا تھا؟"

"یہ مجھ سے پوچھ رہے ہو؟" عمران نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں، میں نے تو یونہی خواہ مخواہ تعاقب شروع کیا تھا لیکن اب جواب دہی کرنی پڑے گی۔"

"ارے فیاض... وہ کیوں جواب طلب کرے گا؟"

"اُن کی بات نہیں ہے۔ آئی۔ ایس۔ آئی والے اس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔"

"واقعی...؟" عمران کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں، اسی پر تو حیرت ہے۔ اسی فیچر کے حوالے سے ڈائریکٹر کرنل فیضی، مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔"

عمران نے سیٹی بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکوڑے اور پھر بولا۔ "امرتیاں کیوں نہیں کھائیں؟"

"آپ بھی لیجئے۔"

"میں ابھی ابھی بیسن کے لڈو کھا چکا ہوں۔"

"کیا واقعی... لیکن لوبان کی دھونی کیوں؟"

"خدا کی پناہ؛ تو یہ گھر کا بھیدی..."

"کچھ نہ کہیے گا، بیچارے کو، بے ساختگی میں کہہ گیا تھا۔"

"ہاں، تو یہ کرنل فیضی..."

"مجھ سے یہ ضرور معلوم کرنا چاہے گا کہ میں نے کس شُبہے کے تحت، اس کا تعاقب شروع کیا تھا۔"

"اور تم بتانا نہیں چاہتے۔"

"میں بتاؤں گا کیا، جب کہ کوئی خاص مقصد نہیں تھا۔"

"بس یہی کہہ دینا۔"

"وہ یقین نہیں کرے گا، اگر یہ کوئی سیریس معاملہ ہے۔"

"تو پھر کیا، کیا جائے؟" عمران طویل سانس لے کر بولا۔

"آپ کوئی معقول سی وجہ سوچیے۔ تاکہ میں، اُسے مطمئن کر سکوں۔"

"ہوں، اچھا... لیکن اس کے لیے ضروری ہوگا کہ تم مجھے وہ بھی بتا دو، جو اسٹار کے کرائم رپورٹر کو نہیں بتایا تھا۔"

"ضرور بتاؤں گا۔" شاہد نے کہا اور اُسے سیدو دھوبی کے بارے میں بتانے لگا جس سے

سنگزاد کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں۔

"اور وہ، اس آدمی کی نشان دہی نہیں کر سکا تھا۔ جس نے بچوں کو پتھر مارنے کی ترغیب دی تھی۔"

"جی نہیں، اُسے یاد نہیں کہ اُس نے کس سے سُنا تھا۔"

"خیر، ہاں تو تم نہایت اطمینان سے کہہ سکتے ہو کہ شہر میں خواتین کو چھیڑنے کے واقعات بکثرت ہو رہے ہیں۔ لہٰذا تم سمجھے تھے کہ وہ شخص محض خواتین کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے اس طرح پتھر کھاتا ہے۔ اس لیے تم اس معاملے کی تہہ تک پہنچنا چاہتے تھے۔"

"گڈ..." شاہد اُچھل پڑا۔ "میں جانتا تھا کہ آپ کے علاوہ اور کوئی میری یہ مشکل نہیں حل کر سکے گا۔"

"لہٰذا اب سیدو دھوبی اور اس لانڈری کا پتا بھی بتا دو۔"

عمران نے دونوں پتے اپنی نوٹ بک میں درج کیے تھے۔ شاہد حیرت سے اُسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "کیا یہ آپ کی بھی دلچسپی کی چیز ہے؟"

"دیکھوں گا۔ شاید آئی۔ ایس۔ آئی والوں سے بھی کچھ کمائی ہو جائے۔ دوبارہ زندہ ہونے کے بعد سے میری حالت کچھ پتلی ہو گئی ہے۔"

"آخر قصہ کیا تھا؟ عرصے تک سب یہی سمجھتے رہے تھے کہ آپ، سمندر میں غرق ہو چکے ہیں۔"

"سمندر بھی مجھ نالائق کو قبول کرنے پر تیار نہیں۔ مچھلیوں کا ہاضمہ خراب ہو جانے کا اندیشہ تھا۔"

"آپ اپنی تہہ تک کسی کو بھی نہیں پہنچنے دیتے۔"

"یہ لوبان کی دھونی کا کمال ہے۔" عمران نے سر ہلا کر کہا۔

"سلیمان کہہ رہا تھا کہ کل آپ نے کسی کو باری کے بخار کا تعویذ بھی دیا تھا؟"

"بواسیر کا فقیری نسخہ بھی ہے، میرے پاس۔"

"اچھا، اب اجازت دیجیے۔" شاہد اُٹھتا ہوا بولا۔

"بسم اللہ... !"

شاہد، عمران کے فلیٹ سے برآمد ہو کر موٹر سائیکل اسٹارٹ کر ہی رہا تھا کہ ایک موٹر سائیکل سوار، اُس کے قریب سے گزرتا ہُوا اس کا دایاں گال نوچ کر نکلا چلا گیا۔ تحیرزدہ آواز میں ایک گندی سی گالی شاہد کی زبان سے نکلی اور پھر اُس نے آپے سے باہر ہو کر اپنی موٹر سائیکل، اس کے پیچھے دوڑا دی۔

اس نے اسے اچھی طرح دیکھا تھا۔ وہ اس کا کوئی بے تکلف دوست نہیں تھا۔ شاید شناسا بھی نہ تھا ورنہ اسے کسی قدر تذبذب ضرور ہوتا۔

اگلا سوار ٹریفک کے درمیان سے اپنی موٹر سائیکل نکال لے جانے میں کافی مشّاقی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ شاہد اس کے مقابلے میں کسی قدر ہچکچاہٹ سے گاڑی چلا رہا تھا... لیکن نظر اسی پر جمی ہوئی تھی کہ کہیں نکل ہی نہ جائے۔ وہ، اُسے اس بے ہودگی کی خاطر خواہ سزا دینا چاہتا تھا۔

کیا وہ پاگل تھا؟ یا یہ محض شرارت تھی؟ لیکن شرارت... ایک سرکاری آفیسر کے ساتھ۔ شاہد کا خون بُری طرح کھول رہا تھا۔ دونوں گاڑیوں کی دوڑ جاری رہی۔ حتیٰ کہ وہ شہری آبادی سے باہر آگئے۔

شاہد کا غصّہ اپنی انتہائی منزلیں طے کر رہا تھا۔ کیونکہ وہ ابھی تک اُسے نہیں پکڑ پایا تھا۔ دونوں کے درمیان اب بھی دو ڈھائی سو گز کا فاصلہ برقرار تھا۔

اچانک اگلے سوار نے اپنی گاڑی ایک ایسے باغ میں موڑ دی جس کے گرد اُونچی، اُونچی جھاڑیاں احاطہ کیے ہوئی تھیں۔ شاہد نے بھی تہیّہ کر لیا تھا کہ کسی طرح اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ وہ بھی اپنی گاڑی اسی طرف لیتا چلا گیا۔ اس نے دیکھا کہ متعاقب کی گاڑی، باغ کے وسط میں ایک کھُلی جگہ پر چکر لگا رہی ہے۔

شاہد پر نظر پڑتے ہی اس نے گاڑی روک دی اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر بے ساختہ قہقہے لگانے لگا۔

شاہد، اس کے قریب پہنچ کر دھاڑا۔ "شٹ اَپ!"

لیکن وہ ہنستا ہی رہا اور شاہد کے بازو کی مچھلیوں میں اکڑن پیدا ہونے لگی۔ موٹر سائیکل کا انجن بند کر کے وہ، اس کی طرف بڑھا۔ اُس نے تہیّہ کر لیا تھا کہ چھوٹتے ہی ایک ہاتھ جھاڑ دے گا۔ لیکن اس سے بے خبر تھا کہ عقب کی جھاڑیوں سے دو افراد برآمد ہو کر آہستہ آہستہ خود اس کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ پھر قبل اس کے کہ شاہد موٹر سائیکل سوار پر جھپٹتا، وہ دونوں اُس پر ٹوٹ پڑے۔ یہ حملہ بے خبری میں ہُوا تھا اس لیے شاہد کو سنبھلنے کا موقع بھی نہ مل سکا۔ حملہ آوروں میں سے ایک نے اُس کی ناک پر تہ کیا ہُوا رومال ڈال کر ہاتھ سے دبائے رکھا تھا۔ شاہد کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

رات کے آٹھ بجے تھے اور کیپٹن فیّاض بےچینی سے ٹہل رہا تھا۔ بار بار فون کی طرف اس طرح دیکھتا جیسے کسی کال کا منتظر ہو... دفعتًہ فون کی گھنٹی بجی اور وہ تیزی سے اُس کی طرف جھپٹا۔

"ہیلو... !"

"کون ہے؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اوہ، کرنل صاحب!" فیّاض جلدی سے بولا۔ "فیّاض..."

"کچھ پتا لگا، آپ کے انسپکٹر کا؟"

"تلاش جاری ہے، جناب! ہمیں خود تشویش ہے۔"

"اسے میرا پیغام کس وقت مِلا تھا؟"

"جیسے ہی وہ دفتر آیا تھا۔ کوئی ساڑھے نو بجے کی بات ہے۔"

"اس کے بعد سے اُس کی نقل و حرکت کے بارے میں آپ کے پاس کیا اطلاعات ہیں؟"

"گیارہ بجے وہ دفتر سے نکل گیا تھا۔"

"کہاں گیا تھا؟"

روانگی کی رپورٹ لکھے بغیر آفس سے نکلا تھا۔"

"کیا یہی طریقہ رائج ہے، آپ کے دفتر میں؟"

"جی نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ روانگی کی رپورٹ اسی وقت درج کی جاتی ہے جب کسی سرکاری کام کے لیے روانگی ہوتی ہے۔ نجی ضرورت کے تحت باہر جانا ہو تو عموماً یونہی چلے جاتے ہیں۔"

"کیپٹن فیاض! انسپکٹر شاہد کا اس طرح غائب ہو جانا، آپ لوگوں کو دشواریوں میں بھی مبتلا کر سکتا ہے۔"

"میں سمجھتا ہوں جناب! یقیناً اُسے کوئی حادثہ پیش آگیا ہے، ورنہ اس طرح غائب ہو جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"کیا اُس معاملے میں آپ سے اس کی تفصیلی گفتگو ہوئی تھی؟" "جی ہاں۔"

"تو آپ کو اس کا علم ہوگا کہ سنگزاد پر پتھراؤ کی ابتدا کیسے ہوئی تھی؟"

"جی ہاں، اس نے مجھے بتایا تھا۔"

"اور یہ بھی بتایا ہوگا کہ اُسے اس کا علم کس سے ہوا تھا؟"

"جی ہاں... اسی لانڈری کے ایک دھوبی سے، جس کا نام سیدو ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ جیسے ہی انسپکٹر شاہد کا سراغ ملے، مجھے مطلع کیجیے گا۔"

"بہت بہتر، جناب!" فیاض نے کہا اور دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہونے کی آواز سن کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

فوراً ہی پھر گھنٹی بجی اور اس نے جلدی سے ریسیور اُٹھا لیا۔ دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز سن کر طویل سانس لی اور جھنجھلائی ہوئی آواز میں بولا۔ "خدا کا شکر ہے کہ تم زندہ ہو۔ چھ بجے سے اس وقت تک کئی بار رنگ کر چکا ہوں۔"

"کیا کسی فقیری نسخے کی ضرورت پیش آگئی ہے؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"سنو! میں بکواس سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" فیاض نے جھنجھلا کر کہا۔ "سنجیدگی سے میری بات سنو۔"

"بیان جاری رکھو۔ جب سے مر کر دوبارہ زندہ ہوا ہوں، سنجیدگی کے مارے بُرا حال ہے۔"

"تم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ گیارہ اور بارہ بجے کے درمیان انسپکٹر شاہد تمہارے پاس تھا۔"

"انکار کیوں کروں گا۔ شاہد ہی تھا۔ شاہدہ تو نہیں تھی۔"

"وہ، تمہارے پاس کیوں گیا تھا؟"

"ایک کلو امرتیاں بھی لایا تھا، سلیمان کے لیے۔"

"میں پوچھ رہا ہوں کیوں گیا تھا، تمہارے پاس؟"

"تمہارا کیا خیال ہے کیوں آیا ہوگا؟"

"میں نہیں جانتا۔ تم سے پوچھ رہا ہوں؟"

"اس لیے آیا تھا کہ اس کا آفیسر بالکل چغد ہے۔ اُسے یہ نہیں بتا سکا تھا کہ آئی ایس آئی والوں کو سنگزاد کے تعاقب کی کیا وجہ بتائے گا۔"

"یہ میں بتاتا ہوں، اے! دیکھو عمران ہوش کے ناخن لو۔ میں نے ابھی تک کرنل فیضی کو یہ نہیں بتایا کہ وہ دفتر سے نکل کر تمہارے پاس آیا تھا۔"

"آخر بات کیا ہے؟"

"وہ غائب ہو گیا ہے۔ مقررہ وقت پر کرنل فیضی کے پاس نہیں پہنچا۔ کرنل فیضی، مجھ سے اس کی نقل و حرکت کا چارٹ طلب کر رہا ہے۔"

"تو کیا واقعی، یہ کوئی بہت اہم معاملہ ہے؟"

"میں نہیں جانتا... لیکن آئی ایس آئی والوں کی بے چینی سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔"

"بہ حال تم دشواری میں پڑ گئے ہو۔" عمران کی آواز آئی۔

"قطعاً نہیں، مگر اگر میں کرنل فیضی کو یہ بتا دوں کہ وہ دفتر سے نکل کر کہاں گیا تھا۔"

"کیوں نہیں بتایا؟"

"محض اس لیے کہ کہیں تمہیں پھر نہ غرق ہونا پڑے۔"

"کیوں ہانک رہے ہو؟"

"اچھا تو کیا مجھے علم نہیں ہے کہ آئی۔ ایس آئی والوں سے پیچھا چھڑانے ہی کے لیے تم جوزف سمیت غرق ہوگئے تھے[1]۔"

"بہت باخبر ہوتے جا رہے ہو۔" عمران نے کہا۔ "اچھی بات ہے تو تم ان لوگوں سے اپنا پیچھا چھڑا لو۔"

"یعنی کرنل فیضی کو آگاہ کردوں کہ شاہد تم سے ملا تھا؟"

"بالکل آگاہ کردو۔" عمران نے کہا اور رابطہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔

فیاض نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے ریسیور کو گھورتا رہ گیا۔ پھر اس نے کریڈل دبا کر شاید کرنل فیضی ہی کے نمبر ڈائیل کیے تھے۔ دوسری طرف سے فوراً ہی جواب ملا۔

"کیپٹن فیاض، سر!"

"کیا خبر ہے؟"

"بارہ بجے تک وہ مسٹر علی عمران کے ساتھ رہا تھا۔ مسٹر علی عمران، ہمارے ڈائریکٹر جنرل صاحب کے فرزند ہیں۔"

"اس کے بعد...؟"

"مسٹر علی عمران نے لاعلمی ظاہر کی ہے۔"

"اچھی بات ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ہم خود دیکھ لیں گے۔ آپ بری الذمہ"

"شکریہ جناب!"

دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہوگیا۔ فیاض کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

---

[1] اس داستان کیلئے "موت کی آہٹ" سے "لرزتی لکیریں" تک کا سلسلہ ملاحظہ فرمائیے

عمران کی ٹو سیٹر، سر سلطان کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ انہوں نے اُسے فوری طور پر طلب کیا تھا۔ فیاض کی کال کا سلسلہ منقطع ہوتے ہی فون پر اُن کی کال آئی تھی اور عمران فوراً روانہ ہوگیا تھا۔

سر سلطان، اُس کے منتظر تھے۔ اس پر نظر پڑتے ہی بولے۔ "تم نے آج کا اسٹار دیکھا؟"

عمران کھوپڑی سہلاتا ہوا بیٹھ گیا۔ پھر بولا۔ "جی نہیں۔ میں نے تو نہیں دیکھا لیکن شاید آپ بھی سنگزاد ہی کے سلسلے میں پوچھ رہے ہیں؟"

"آپ بھی سے کیا مراد ہے... کیا پہلے بھی کوئی پوچھ چکا ہے؟"

"آئی ایس آئی والے بھی اُسی کے چکر میں ہیں۔"

"اگر نہ ہوں تو مجھے حیرت ہوگی۔"

"لیکن آپ کو بہت دیر میں خیال آیا ہے۔ اس وقت رات کے نو بجے ہیں۔ آئی ایس آئی والے تو صبح ہی سے حرکت میں آگئے تھے۔"

"میں ہر ایک کا صورت آشنا تو نہیں ہوں۔ جب محکمے کے ایک ذمہ دار فرد نے اُس کی طرف توجہ دلائی تو مجھے حالات کا علم ہوا۔"

"قصہ کیا ہے؟"

"یہ شخص جو خود کو سنگزاد کہتا ہے۔ افریقہ کے ایک ملک میں ہمارے سفارت خانے کا فوجی اتاشی تھا۔ اصل نام شہزاد ہے۔ وہاں سے اچانک غائب ہوگیا۔ اس کی تحویل میں میرے محکمے کے بھی کچھ کاغذات تھے، جن کا آج تک پتا نہیں چل سکا۔"

"یہ کب کا واقعہ ہے؟"

"دو سال پہلے کی بات ہے۔ میرے محکمے سے تعلق رکھنے والے کاغذات بے حد اہم تھے اور کئی ملکوں سے تعلقات پر اثر انداز ہو سکتے تھے۔ اگر آئی۔ ایس۔ والے بھی چونک پڑے ہیں تو یقین کرو کہ یہ شخص کرنل شہزاد کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔"

"پتا نہیں کب سے وہ یہیں مقیم ہو۔" عمران نے کہا۔ "لیکن ہمیں پتا اس وقت چلا

جب اس پر پتھراؤ ہونے لگا۔"

"اچھا تو پھر...؟"

"اور پتھراؤ بھی خواہ مخواہ... نہ وہ پاگل پن کی حرکتیں کرتا ہے اور نہ کسی سے کوئی غرض ہی رکھتا ہے۔"

"کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"خاص طور پر ہماری توجہ اُس کی طرف مبذول کرائی گئی ہے۔" عمران نے کہا اور انہیں بتانے لگا کہ سنگباری کی ابتداء کیسے ہوئی تھی۔

"بڑی عجیب بات ہے اور اس پر سنگباری کا کوئی اثر بھی نہیں ہوتا اور وہ یادداشت بھی کھو بیٹھا ہے۔ اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔ جانتا ہوتا تو کرنل سے دھوبی کیوں بن جاتا؟ بہر حال، اس کی طرف توجہ مبذول کرانے ہی کے لیے ایسا کیا گیا ہے۔"

"کس نے کیا ہے اور کیوں؟"

"یہی دیکھنا پڑے گا۔ اس شخص کا پتا نہیں چل سکا۔ جس نے ایک بچے کو پانچ روپے کا نوٹ دے کر پتھر مارنے کی ترغیب دی تھی۔"

"کیا تم نے معلوم کرنے کی کوشش کی تھی؟"

"میں نے تو اس سلسلے میں ابھی کچھ کیا ہی نہیں۔ انسپکٹر شاہد کا بیان ہے کہ سید دھوبی اس شخص کی نشاندہی ہی نہیں کر سکا تھا۔"

"بہر حال، اب ہمیں بھی کچھ کرنا ہے۔"

"یہ بہت اچھا ہوا کہ ہم سے بھی اس کا کچھ نہ کچھ تعلق پیدا ہی ہو گیا۔ ورنہ کرنل فیضی خواہ مخوا سر ہوتا۔"

"کیا قصہ ہے؟"

عمران، انہیں کیپٹن فیاض کی کال سے متعلق بتاتا ہوا بولا۔ "اب میں ذرا گھر فون کر کے معلوم کرلوں کہ کوئی خاص واقعہ تو نہیں پیش آیا۔ میرا مطلب ہے۔ فیاض کی زبان سے

میرا نام سُنتے ہی کرنل فیضی آپے سے باہر ہو گیا ہو گا۔"

"فکر مت کرو۔ اُن لوگوں سے میں نپٹوں گا۔"

عمران نے فون پر فلیٹ کے نمبر ڈائیل کئے اور دوسری طرف سے سلیمان کی آواز آئی۔ "نیچے ایک جیپ کھڑی ہوئی ہے... اور سٹنگ رُوم میں ایک کپتان صاحب تشریف فرما ہیں۔"

"کیوں تشریف فرما ہیں؟"

"آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"اچھا سُن، ہو سکتا ہے، وہ تجھ سے پُوچھیں کہ کس کی کال تھی۔ اُن سے کہہ دیجیو کہ صاحب کی ایک گرل فرینڈ خیریت دریافت کر رہی تھی۔"

"اور وہ یہیں دھرے رہیں گے۔"

"فکر نہ کر۔ اس کا بھی انتظام ہو جائے گا۔ فی الحال اُن سے پُوچھ لے کہ چائے پئیں گے یا کافی۔"

"ٹھنڈا پانی پہلے ہی پی چکے ہیں۔"

"بس، بکواس بند۔" کہہ کر عمران نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا... اور سر سلطان کی طرف مُڑ کر بولا۔ "کرنل فیضی کے آدمی وہاں پہنچ گئے ہیں۔"

"تمہارے فلیٹ میں۔"

"جی ہاں۔"

"ٹھہرو... میں دیکھتا ہوں۔" سر سلطان نے کہا اور فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کر کے کہا۔ "کرنل فیضی، پلیز!"

"گھر پر ہوں گے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"گھر پر ہی ملاؤ۔"

"یور آئیڈنٹٹی، پلیز!"

"سیکریٹری برائے امورِ خارجہ!"

"ہولڈ آن کیجئے، جناب!"

تھوڑی دیر بعد دوسری طرف سے آواز آئی۔ "فیضی..."

"میں سلطان ہوں۔"

"فرمائیے، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"آپ کو مطلع کرنا ہے کہ علی عمران باقاعدہ طور پر وزارتِ خارجہ کے لیے کام کرتا ہے۔ اور سنگزاد سے وزارتِ خارجہ کو بھی اتنی ہی دلچسپی ہو سکتی ہے جتنی آئی۔ ایس۔ آئی کو۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"کرنل شہزاد کی تحویل میں ہمارے بھی کچھ کاغذات تھے۔ جب وہ غائب ہوا تھا۔"

"لیکن ابھی یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ سنگزاد، شہزاد ہی ہے۔"

"مجھے اطلاع ملی تھی کہ اس وقت، آپ کے کچھ لوگ، عمران کے فلیٹ میں موجود ہیں۔"

"جی ہاں، مسٹر عمران سے انسپکٹر شاہد سے متعلق پوچھ گچھ کرنی ہے۔"

"وہ اس وقت یہیں میرے پاس موجود ہے۔ کیا میں اُسے ریسیور دوں؟"

"بہت بہت شکریہ۔"

سر سلطان نے ریسیور عمران کی طرف بڑھا دیا۔ عمران نے ہونٹ بھینچ کر عجیب سی شکل بنائی اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ "ہیلو...!"

"مسٹر عمران۔"

"فرمائیے...؟"

"انسپکٹر شاہد، آپ کے پاس سے کہاں گیا تھا؟"

"یہ تو نہیں بتایا تھا اُس نے۔"

"آپ کے پاس کیوں آیا تھا؟"

"آتا ہی رہتا ہے۔ کوئی خاص بات نہیں۔ جب بھی پرنس سویٹ مارٹ کی طرف سے گزرتا ہے، ہمارے لیے امرتیاں ضرور لاتا ہے۔"

"کیا سنگزاد سے متعلق بھی کچھ گفتگو ہوئی تھی؟"

"ظاہر ہے کہ ہوئی تھی کیونکہ..."

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ کیا خود سنگزاد نے اُسے بتایا تھا کہ کسی نے کسی بچے کو پتھر مارنے کی ترغیب دی تھی؟"

"جی نہیں... ایک دھوبی نے جو سنگزاد کا پڑوسی ہے۔"

"کیا آپ کو اس دھوبی کا نام یاد ہے؟"

"کیوں نہیں، سیدو دھوبی... اور وہ بھی اُسی لانڈری میں کام کرتا ہے۔"

"شکریہ مسٹر عمران! مجھے اُمید ہے کہ آپ آئندہ بھی تعاون کریں گے۔"

"لیکن اس سلسلے میں یہ بھی واضح کر دوں کہ سیدو دھوبی اُس شخص کی نشاندہی نہیں کر سکتا، جس نے سنگباری کی ترغیب دی تھی۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"سیدو کہتا ہے کہ میں نے سنا تھا لیکن یہ یاد نہیں کہ کس سے سنا تھا۔"

"تب تو بات نہیں بنتی۔"

"لیکن شاہد پروگرام کے مطابق آپ سے کیوں نہیں ملا؟"

"یہی تشویش کا باعث ہے۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ کسی نے اُسے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی ہو۔"

"آخر کیوں...؟"

"ہو سکتا ہے کہ مقصد یہی ہو کہ وہ، آپ سے نہ مل سکے۔"

"میں سمجھتا ہوں، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"وہ شخص اس سلسلے میں اہم ہے، جس نے سنگباری کی ترغیب دی تھی۔"

"بہرحال، اگر ہم آپس میں معلومات کا تبادلہ کرتے رہیں تو دونوں کے لیے بہتر ہوگا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"شکریہ، ضرورت پڑنے پر میں آپ سے رابطہ قائم کروں گا۔"

"ہمہ وقت۔" عمران نے بائیں آنکھ دبا کر کہا اور دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہونے

کی آواز سُن کر ریسیور رکھ دیا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہارا رویّہ درست تھا۔" سر سلطان مُسکرا کر بولے۔

عمران کچھ نہ بولا۔ اس کی آنکھوں میں گہری تشویش کے آثار پائے جاتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ "اگر کوئی پارٹی سنگزاد کی تشہیر ہی کرنا چاہتی ہے تو شاہد کے غائب ہو جانے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟"

"شاید تم نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ کرنل فیضی کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔" سر سلطان بولے۔

"یہ بات تو نہیں تھی۔ دراصل وہ تعاقب کا کوئی جواز چاہتا تھا اور مجھ سے گفتگو کرنے کے بعد خاصا مطمئن ہو گیا تھا۔ بہرحال اپنے نکتۂ نظر سے ہمیں فی الحال اس فرد کو تلاش کرنا چاہیئے۔ جس نے کسی بچّے کو ترغیب دی تھی۔ اس کے لیے سب سے پہلے اُس بچّے کو تلاش کرنا ہوگا۔"

"اُس بچّے کو تو وہ جانتا ہی ہوگا۔"

"جی نہیں! سیدو دھوبی نے اس کے بارے میں بھی سُنا ہی تھا۔"

"خاصا دشوار مسئلہ ہے۔"

سیدو دھوبی کی کھوپڑی ناچ کر رہ گئی تھی۔ پتا نہیں کتنے لوگ اس سے پوچھ گچھ کر چکے تھے اور آخر تنگ آکر اُس نے ہر ایک سے کہنا شروع کر دیا تھا کہ وہ کچھ نہیں جانتا۔ سنگزاد کا معاملہ ہے۔ اسی سے پوچھو جا کر۔

لانڈری سے دونوں ساتھ ہی نکلے تھے اور اپنی جھونپڑیوں کی طرف چل پڑے تھے۔

"او، بھائی سنگزاد... آخر یہ کیا چکر ہے؟" سیدو نے کہا۔

"میں کیا جانوں، بھائی؟"

"ایسے ایسے لوگوں نے تمہارے بارے میں پُوچھا ہے کہ کیا بتاؤں۔

"اخبار میں تصویر چھپنے کی وجہ سے۔"

"تصویر یُوں چھپی ہے کہ تمہارے چوٹ نہیں لگتی۔ ہماری تصویر تو چھاپ دے کوئی مائی کا لال۔"

"یہ چوٹ آخر کیا ہوتی ہے؟"

"ہائیں... تم چوٹ بھی نہیں جانتے؟"

"نہیں بھائی!"

"کیا واقعی پتھر کے ہو؟"

"پتا نہیں۔"

"کچھ یاد کرو کہ تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ تمہارے آگے پیچھے بھی کوئی ہے یا نہیں...؟"

"پتا نہیں، بھائی!"

"کیا آسمان سے ٹپکے ہو؟"

"مجھے نہیں معلوم۔"

اندھیرا ہو گیا تھا۔ اس لیے وہ سکون سے چلے جا رہے تھے۔ اس وقت بچّے اُن پر پتھراؤ نہیں کر رہے تھے لیکن ہوشمندوں کی ایک بھیڑ، اُن کے پیچھے چل رہی تھی۔ اکثر لوگوں نے سنگزاد سے گفتگو بھی کرنی چاہی تھی لیکن وہ کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔

اس طرح وہ اپنی جھونپڑیوں تک پہنچ گئے تھے۔ سنگزاد چُپ چاپ جھونپڑی کے اندر چلا گیا اور سیدو، اس آدمی سے اُلجھ پڑا جو شاید اُس کی جھونپڑی کے قریب اُس کا منتظر تھا۔

"میں کچھ نہیں جانتا۔" وہ دونوں ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ "جاؤ! اسی سے پُوچھو جو کچھ پُوچھنا ہو۔"

"اس کے پاس تو ایک ہی جواب ہے کہ وہ کچھ نہیں جانتا۔" اجنبی نے کہا۔

"تو پھر کیا میں، اس کا باوا لگتا ہُوں کہ مجھے معلوم ہوگا؟"

"اس کے پڑوسی اور مددگار تو ہو۔"

"جب وہ اپنے بارے میں کچھ نہیں جانتا تو میں کیا جانوں گا؟"

"کبھی کوئی اس سے ملنے بھی آتا ہے؟"

"جی نہیں... دیکھئے، میں بہت تھکا ہُوا ہُوں۔ مجھے معاف کر دیجئے۔"

"سُنو... میرا تعلق پولیس سے ہے۔"

"ایک پولیس والے صاحب تو لانڈری ہی میں پوچھ گچھ کر چکے ہیں۔ اُسی کے بعد تو اخبار میں اس کی تصویر چھپی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں دوسری طرح کے سوال کروں گا۔"

"کیجئے صاحب!" وہ مُردہ سی آواز میں بولا۔

"یہاں اس بستی میں اُسے کون پہنچا گیا تھا؟"

"کوئی بھی نہیں۔ خود ہی آیا تھا، رہنے کی جگہ تلاش کرتا ہُوا۔"

"لانڈری سے آنے کے بعد وہ کیا کرتا ہے؟"

"کھانا پکاتا ہے اور پڑ رہتا ہے۔"

"کہیں گھومنے پھرنے بھی نہیں جاتا؟"

"جی نہیں۔ میں نے تو کبھی نہیں دیکھا۔ جھونپڑی سے لانڈری اور لانڈری سے جھونپڑی۔"

"تم نے کس شخص سے اس آدمی کے بارے میں سُنا تھا، جس نے کسی بچّے کو پتھر مارنے کی ترغیب دی تھی؟"

"یہی تو یاد نہیں آتا۔" وہ پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔

"چلو، یہی بتا دو کہ بچہ کون تھا؟"

"مجھے یہ بھی نہیں معلوم، جناب!"

"کیسے معلوم ہوگا؟"

"کل صبح آجائیے اور اُن بچّوں سے معلوم کرنے کی کوشش کیجئے جو اُسے پتھر مارا کرتے ہیں۔"

"ہاں، شاید اس طرح معلوم ہو جائے۔ اچھا سیدو صاحب! بہت بہت شکریہ!" اجنبی نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

"سیدو صاحب..." سیدو نے آہستہ سے دُہرایا اور "صاحب" کی لذّت میں کھویا

ہُوا جھونپڑی میں داخل ہُوا۔

"کون تھا، رے؟" اس کی بیوی نے پُوچھا۔

"ارے وہی۔ پُوچھنے والے چلے ہی آرہے ہیں۔"

"کیا پوچھ رہا تھا؟"

"اُس لونڈے کے بارے میں پوچھ رہا تھا جس نے اُسے پہلا پتھر مارا تھا۔"

"تو بتا کیوں نہیں دیا۔"

"میں کیا جانوں، کون خدائی خوار تھا؟"

"میں جانتی ہُوں۔"

"کون تھا...؟" سیدو اُچھل پڑا۔

"ہوتا کون... وہی شیدّے کا لونڈا... گامو..."

"ارے نہیں..."

"ہاں، ہاں... اُس کی چاچی نے مجھے بتلایا ہے۔"

سیدو اُلٹے پاؤں باہر بھاگا کہ اجنبی کو اس سے آگاہ کر دے۔ دراصل شیدّے سے اس کی بہت پُرانی دشمنی چلی آرہی تھی۔ اُس نے سوچا۔ یہ بہترین موقع ہے۔ پولیس والے سالے کو پریشان کر ڈالیں گے۔

آخر کار پلیا کے قریب اس نے اجنبی کو جالیا۔

"رُکیے، جناب... ٹھہریئے، جناب..." اس نے کسی قدر فاصلے ہی سے اُسے آوازیں دینی شروع کر دیں۔ اجنبی رُک کر اُس کی طرف مُڑا۔

"آپ کے... چلے آنے... کے... بعد... میری گھر والی... نے بتایا..." وہ ہانپتا ہُوا بولا۔

"اچھا... اچھا... کیا بتایا؟"

"شیدّے کے لونڈے گامو کو کسی نے پانچ روپے دے کر پتھر مروایا تھا۔"

"شیدّے کون ہے؟"

"دھوبی ہی ہے، جناب! میرے گھر کے پاس رہتا ہے۔ اس کا لونڈا ہے، گامو... باپ ہی کی طرح حرامی ہے۔"

"اچھا... اچھا میں دیکھوں گا۔"

"ابھی دیکھ لیجئے۔ اس وقت، باپ، بیٹا دونوں جھگّی ہی میں ہوں گے لیکن جناب! میرا نہ معلوم ہونے پائے۔"

"نہیں... نہیں، سیدو صاحب! بھلا ایسا بھی کیا۔ اُسے ہرگز یہ نہیں معلوم ہوگا... کہ اس کا نام آپ نے لیا تھا۔"

اجنبی پھر جھونپڑیوں کی طرف مڑ گیا اور سیدو وہیں کھڑا سوچتا رہا۔ آخر یہ کیسا پولیس والا ہے۔ اتنا نرم مزاج اور صورت ہی سے یتیم لگتا ہے... یتیم نہیں بیوقوف... صورت ہی سے بے وقوف لگتا ہے... ابے کہیں خفیہ پولیس والا نہ ہو... خفیہ پولیس میں تو ایسے ہی آدمی رکھے جاتے ہوں گے جو صورت سے پولیس والے نہ لگیں۔ بالکل بے وقوف معلوم ہوں... آگئی شامت، سالے تندے کی۔

ٹیلیفون کی گھنٹی بجی اور عمران نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اُٹھا لیا۔ دوسری طرف سے کرنل فیضی کی آواز آئی۔

"معلومات کے تبادلے کی بات ٹھہری تھی۔" عمران نے کہا۔

"ہمارے پاس فی الحال کوئی خاص اطلاع نہیں ہے۔"

"تو پھر تبادلہ کیسے ہوگا، کرنل صاحب؟" عمران نے کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا، مسٹر عمران! کہ آپ کے پاس کوئی اطلاع ہے؟"

"بالکل ہے، لیکن پہلے آپ؟"

"مسٹر عمران..."

"کرنل، پلیز... میرے پاس کوئی اہم اطلاع نہیں ہے لیکن ایک تجویز ضرور ہے۔"

"کیسی تجویز...؟"

"سنگراد کو لانڈری سے کسی تجربہ گاہ میں منتقل کر دیا جائے۔"

"اس صورت میں وہ لوگ ہاتھ نہیں آ سکیں گے، جنہوں نے اُس کی پبلسٹی کرائی ہے۔ اصل میں یہی دیکھنا ہے کہ اُس کی اس انداز میں واپسی کیا معنی رکھتی ہے۔"

"اچھا، اگر وہ، اس دوران میں کہیں غائب ہو گیا تو...؟"

"مشکل ہے۔ غائب ہو جانے کے باوجود بھی ہمارے علم ہی میں رہے گا۔"

"ٹھیک ہے تو پھر سنیئے۔ اطلاع یہ ہے کہ اس شخص کا نام اور پتا معلوم ہو گیا ہے جس نے پہلے بچے کو پتھر مارنے کی ترغیب دی تھی۔"

"گڈ... کون ہے؟"

"جہانگیر نامی ایک جنگمہ ہے۔ زیادہ تر سڑکوں کے کنارے مجمع لگا کر دوائیں بیچتا ہے۔ بوداجی اسٹریٹ کی عمارت، رانی لاج کے ایک فلیٹ نمبر بائیس میں رہتا ہے۔"

"آپ نے اس سے کیا معلوم کیا؟"

"فیچر شائع ہونے پر گیارہ بجے کے بعد سے اُس کی نقل و حرکت کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم ہو سکا۔ ساڑھے دس بجے کے قریب، وہ بوداجی اسٹریٹ کے مستان ہوٹل میں تھا۔ وہاں سے نکل کر گھوڑا میڈیکل اسٹور میں گیا تھا۔ جہاں سے اس نے کسی کو فون کال کی تھی۔"

"پھر اس کے بعد...؟"

"اس کے بعد بلیک آؤٹ۔ کوئی بھی ایسا نہیں مل سکا، جس سے اس کے بعد کی نقل و حرکت کے بارے میں معلوم ہو سکتا۔"

"شکریہ، مسٹر عمران! ذرا اس کا پتا دوبارہ بتائیے گا۔"

عمران نے جہانگیر کا پتا دہراتے ہوئے کہا۔ "فلیٹ مقفل ہے اور اس کا کوئی پڑوسی بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکا۔"

"ہم دیکھیں گے۔" کرنل فیضی نے کہا اور سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔ عمران ریسیور کریڈل پر رکھ کر صفدر کی طرف مُڑا۔

"آپ نے جلد بازی سے کام لیا ہے۔" صفدر نے کہا۔

"کیسی جلد بازی...؟"

"ابھی نہ بتانا چاہیئے تھا۔ پہلے ہم، اُس کے فلیٹ کی تلاشی لے لیتے۔" صفدر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"کیا تم، مجھے بہت عقلمند سمجھتے ہو؟" عمران آنکھیں نکال کر بولا۔

"اپنی باتیں آپ خود ہی جانیں۔"

"میں پچھلی رات ہی کو سارے مراحل سے گزر چکا ہوں۔"

"کیا مطلب...؟"

"پچھلی شام کو اس لڑکے کا سُراغ مل گیا تھا۔ اس نے جہانگیر کی نشاندہی کی اور میں اُس کے فلیٹ تک جا پہنچا۔ اور دو بجے شب کو فلیٹ کی تلاشی لے کر اُسے دوبارہ مقفل کر چکا تھا۔"

"کچھ ملا...؟"

"یقیناً... یہ دیکھو۔" عمران نے جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر صفدر کو تھما دیا، جس پر تحریر تھا۔ "ٹڈا - ۸۸۳۷۱"

"یہ کیا ہے؟" صفدر نے حیرت سے کہا۔

"تم بتاؤ...؟"

"میں کیا بتاؤں... ٹڈا اور یہ ہندسے... بھلا کیا بات ہوئی؟"

"ٹھہرو! ایک نوٹ بُک بھی ملی تھی۔" عمران نے پھر جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ "اس میں کچھ یادداشتیں تحریر ہیں۔ جنہیں پڑھ کر تم، شاید کسی نتیجے پر پہنچ سکو۔"

اس نے نوٹ بُک کھول کر ایک صفحہ، صفدر کے سامنے کر دیا۔

"لاحول ولا قوۃ..." صفدر ہنس پڑا اور پھر تحریر کو بلند آواز سے پڑھنے لگا۔ "بکرے

کے ذمے ساڑھے چار روپے۔ مُرغا پلاس لے گیا تھا، ابھی تک واپس نہیں کیا۔ گلہری کے ذمے سات روپے، پنج بن سے ڈیڑھ روپے دے دیئے ہیں۔ بھینسا قینچی لے گیا ہے۔"

"لیکن 'بھینسا قینچی لے گیا ہے' کو قلمزد کر دیا گیا ہے۔" اس نے عمران کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ممکن ہے، بھینسا قینچی واپس کر گیا ہو۔" عمران نے جواب دیا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"قینچی واپس مل جانے پر اُس نے اُسے قلمزد کر دیا ہو۔"

"یہ آخر ہے کیا بلا؟"

"تم اپنے ایک پڑوسی کو نیولا کیوں کہا کرتے تھے؟"

"اوہ تو یہ بات ہے۔"

"اچھا بھلا آدمی تھا، بیچارہ... لیکن کسی وجہ سے تم اُسے نیولا کہتے تھے۔"

"راہ چلتے بالکل نیولوں کی طرح پلٹ پلٹ کر دیکھا کرتا تھا، خواہ مخواہ۔"

"بعض لوگ اسی طرح کی کچھ علامتیں مقرر کر لیتے ہیں اور اپنے شناساؤں کو انہی علامتوں کے حوالے سے یاد کرتے ہیں۔ جہانگیر میں یہ مرض کچھ زیادہ ہی شدت اختیار کر گیا ہے۔"

"ممکن ہے، آپ کا خیال درست ہو۔"

"بکرے، مُرغے اور گلہری سے تو شاید ہماری مُلاقات نہ ہو سکے لیکن ٹڈا شاید مل جائے۔ اس صورت میں کہ اگر یہ اُس کے فون نمبر ہوئے۔"

"یہ ہندسے...؟"

"ہاں، یہ فون نمبر بھی ہو سکتے ہیں اور جس کے فون نمبر ہوں وہ جہانگیر کو ٹڈے سے مشابہ لگتا ہو۔"

"ضروری نہیں کہ فون نمبر ہی ہوں۔"

"دیکھ لینے میں کیا حرج ہے؟" عمران نے کہا اور پھر فون کی طرف پلٹ گیا۔ نمبر ڈائیل کیے۔ ریسیور کان سے لگایا۔ دوسری طرف گھنٹی بج رہی تھی۔ دفعتہً آواز آئی۔ "ڈاکٹر

فوریل کی قیامگاہ۔"

"سوری، رانگ نمبر" کہہ کر عمران نے رابطہ منقطع کر دیا۔

"کیا واقعی کسی کے فون نمبر ہی تھے؟" صفدر نے پوچھا۔

"بالکل... کسی ڈاکٹر فوریل کے گھر کے نمبر۔" عمران نے کہا۔ "اور اب تم یہ معلوم کرو گے کہ جس عمارت کا یہ فون نمبر ہے، وہ کہاں واقع ہے اور یہ ڈاکٹر فوریل کون ہے، اور کیا اس عمارت میں کوئی ایسا فرد بھی موجود ہے جس پر ٹڈے والی علامت فٹ ہو سکے؟"

"کتنا وقت دیں گے؟"

"دو گھنٹے کافی ہوں گے۔"

"فون نمبر سے جگہ کی نشاندہی کے لیے زیادہ وقت چاہیئے۔"

"قطعی نہیں، دس منٹ کی بات ہے۔"

"آج یوں بھی چھٹی کا دن ہے۔"

"شاید تم اونگھ رہے ہو۔" عمران اسے گھورتا ہوا بولا۔ "سائیکو مینشن کے آپریشن روم میں کبھی چھٹی نہیں ہوتی اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ سائیکو مینشن اپنی اسپیشل ٹیلیفون ڈائریکٹری رکھتا ہے۔"

"واقعی شاید میں اونگھ ہی رہا تھا۔ پارٹ تھری میں فون نمبروں سے جگہوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔"

"پارٹ فور میں۔"

"بہر حال..." صفدر طویل سانس لے کر بولا۔ "میں جلد سے جلد معلومات فراہم کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"میں یہاں ملوں گا یا کیپٹن فیاض کے گھر... اس کے فون نمبر تو ہوں گے... تمہارے پاس؟"

"جی ہاں۔" صفدر اٹھتا ہوا بولا۔ "کیا انسپکٹر شاہد ابھی تک نہیں پلٹا؟"

"کوئی بڑا چکر معلوم ہوتا ہے۔ اس کا سراغ ابھی تک نہیں مل سکا۔"

"آخر کس قسم کا چکر ہو سکتا ہے؟"

عمران گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔ "تم وقت ضائع کر رہے ہو۔"

"واقعی..." صفدر اٹھتا ہوا بولا اور فلیٹ سے نکل گیا۔

عمران نے سلیمان کو آواز دی لیکن اس کی بجائے گلرخ آئی۔

"تو سلیمان کب سے ہو گئی ہے؟" عمران نے حیرت سے کہا۔

"وہ آرام فرما رہے ہیں۔ پچھلی رات سیکنڈ شو میں تشریف لے گئے تھے۔"

"آپ نہیں تشریف لے گئی تھیں۔"

"اس کے ساتھ جاؤں گی... تھرڈ ریٹ فلمیں دیکھتا ہے۔ ککڑ دی لکڑی" جیسی فلم میں نے دیکھ لی تو میرا کیا حال ہو گا؟"

"حال تو واقعی مناسب نہ ہو گا۔ لیکن آخر اس کا بھی تو دل چاہتا ہو گا کہ تو اس کے ساتھ گھومنے پھرنے جایا کرے۔"

"بس..." وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "اپنی نصیحتیں اپنے پاس ہی رکھیئے۔"

"جی بہت بہتر۔" عمران نے بڑی سعادتمندی سے کہا۔

"کس لیے آواز دی تھی، اسے؟"

"یہ پوچھنے کے لیے کہ ٹانگوں والے مرغ بازار میں ابھی آئے یا نہیں؟"

گلرخ منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنس پڑی۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟"

"واقعی بہت دنوں سے آپ کو مرغ کی ٹانگیں نہیں ملیں۔ وہ کہتا ہے کہ اتنا بڑا آدمی ٹانگیں کیا کھائے گا... اور ایک خود کھا لیتا ہے اور دوسری مجھے کھلا دیتا ہے۔"

"اتنا بڑا آدمی... یہ کس کا ذکر ہے؟"

"آپ کا صاحب جی!" وہ لہک کر بولی۔

"اچھا..." عمران اس سے بھی زیادہ خوش ہو کر بولا۔ "پورا مرغ، تم دونوں کھا

لیا کرو۔ میں بھیک مانگ کر گزارہ کر لیا کروں گا۔"

"خدا نہ کرے۔"

"تم دونوں مجھے اتنا بڑا آدمی سمجھتے ہو تو اب یہی سہی۔"

"میں ہر معاملے میں بے قصور ہوں۔ یہ سب کچھ وہی کرتا ہے۔"

"تجھ سے شادی بھی تو اسی نے کی تھی۔"

"بڑے سرکار کی دھونس تھی ورنہ میں تو ایسے جوتی کی نوک بھی نہ مارتی۔ چودھری سلیمان، ہونہہ... ایسے ہی جٹ کے پلّے باندھنا تھا تو پھر مجھے میٹرک تک پڑھوایا کیوں تھا؟"

"اتنے قابل آدمی کو جٹ کہہ کر کیوں اپنی عاقبت خراب کرتی ہے؟"

"قابل..." وہ ہنس پڑی۔

"خیر... خیر... ہاں تو میں باہر جا رہا ہوں۔ میری کوئی کال آئے تو کہہ دینا کہ میں... لیکن کیا کہہ دینا؟" عمران خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا اور گل رخ بولی۔

"کہہ دوں کہ اوور سیز فلائی کر گئے ہیں۔"

"نہیں، بٹر فلائی پکڑنے گئے ہیں۔"

"یہ آخر تتلی کو بٹر فلائی کیوں کہتے ہیں۔ بٹر کے معنی ہیں مکھن... اور فلائی مکھی کو کہتے ہیں۔ مکھن مکھی... کیا بات ہوئی؟"

"بڑا خوش قسمت ہے، سلیمان کہ تو اس سے اتنے بے ڈھب سوال نہیں پوچھ سکتی۔" عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"یہ انگریز ہوتے ہی ہیں، بونگے!"

"اچھا... اچھا... کہہ دیجو کہ میں گھر پر نہیں ہوں۔" عمران نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور فلیٹ سے باہر آ گیا۔

انسپکٹر شاہد کے سلسلے میں، اُسے بھی تشویش تھی لہٰذا وہ، کیپٹن فیاض کی طرف چل پڑا۔ چھٹی کا دن تھا اس لیے گھر ہی پر ملاقات ہو سکتی تھی۔ اسے علم تھا کہ وہ چھٹی گھر ہی پر گزارتا ہے۔

تھوڑی دیر اس کی ٹو سیٹر، فیاض کے بنگلے کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور فیاض کا ملازم، عمران کو دیکھ کر دوڑا آیا۔

"صاحب اور بیگم صاحب تو موجود نہیں ہیں۔" اس نے اطلاع دی۔

"کیوں بکواس کر رہا ہے؟" اس کے عقب سے آواز آئی اور عمران چونک کر اُس طرف متوجہ ہو گیا۔ کرانے کی باڑھ کے پیچھے سے ایک چہرہ اُبھرا تھا... اور پھر وہ شخصیت پوری کی پوری سامنے آ گئی۔

یہ ایک ستّر سالہ بوڑھا تھا۔ کلین شیون اور بے حد بھڑکدار رنگین بشرٹ اور گہری نیلی پتلون میں کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ چہرے پر لاتعداد جھریاں تھیں لیکن آنکھوں میں بچوں کی آنکھوں کی سی شوخی پائی جاتی تھی۔

ملازم، اس کی طرف مڑا اور اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تم ہر ایک کو یہی اطلاع دے کر رخصت کر دیتے ہو۔"

"پھر کیا کروں، جناب؟"

"ہو سکتا ہے، یہ مجھ سے ملنے آئے ہوں... کیوں جناب؟"

"جج... جی... ہاں۔" عمران ہکلا کر بولا اور اُس کے چہرے پر حماقتوں کے ڈونگرے برسنے لگے۔

"آئیے، آئیے... تو پھر اُتر آئیے، گاڑی سے۔"

"جج... جی... بہت اچھا۔" عمران نے سعادتمندانہ انداز میں کہا اور گاڑی سے اُتر آیا۔ فیاض کا ملازم طویل سانس لے کر پیچھے ہٹ گیا۔ عمران کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔ بوڑھا، عمران کو ڈرائنگ روم میں لے آیا۔

"تشریف رکھیے۔" اُس نے عمران سے کہا۔

"تم... مجھے افسوس ہے کہ نہیں لا سکا۔"

"کیا نہیں لا سکے؟"

"تت... ترشیف..."

"میں نے کہا تھا تشریف رکھیے... یعنی بیٹھ جائیے۔"

"شکریہ، شکریہ... میری اردو کچھ گڑبڑ سی ہے۔ بچپن ہی میں انگلستان بھیج دیا گیا تھا۔"

"اوہ... اچھا، اچھا..." بوڑھا مسکرا کر بولا۔ "میں، فیاض کا سسر ہوں۔"

"آپ مذاق کر رہے ہیں؟" عمران بے یقینی سے ہنس کر بولا۔

"کیا مطلب؟" بوڑھا سنجیدہ ہو گیا۔

عمران گڑبڑا کر بولا: "مم... مطلب یہ کہ آپ اتنے شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ سسر کیسے ہو سکتے ہیں؟"

"جانتے بھی ہو، سسر کسے کہتے ہیں؟"

"شاید کچھ واہیات سی بات ہے۔ کیونکہ میرا دودھ والا اپنے ملازم کو ابے سسرے کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔"

"بکواس۔ بعض جاہل لوگ الفاظ کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ سسر، بیوی کے والد کو کہتے ہیں۔"

"اوہو، تو آپ، بیگم فیاض کے والد ہیں۔" عمران خوشی کے اظہار میں اچھل پڑا اور بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ "میں معافی چاہتا ہوں، جناب! لیکن لفظ سسر پر مجھے اب بھی اعتراض ہے۔ ارے بیوی کے والد کو تو سکندرِ اعظم ہونا چاہیئے۔"

"کیا اب میرا مذاق اُڑاؤ گے؟"

"ہرگز نہیں جناب!" عمران دونوں ہاتھوں سے مُنہ پیٹتا ہوا بولا۔ "اور بیوی کی والدہ صاحبہ کیا کہلاتی ہیں؟"

"آپ کی بیوی کی والدہ صاحبہ کیا کہلاتی ہیں؟" بوڑھے نے بھنا کر پوچھا۔

عمران نے شرما کر نہ صرف سر جھکا لیا بلکہ دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی انگلیاں بھی مروڑنے لگا۔

"جواب نہیں دیا آپ نے؟"

"جج... جی... ابھی میری شادی نہیں ہوئی۔"

"اچھا... اچھا۔" بوڑھا اُسے دلچسپی سے دیکھتا ہوا بولا۔ "بیوی کی والدہ کو خوشدامن کہتے ہیں۔"

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن آپ جیسا اسمارٹ اور ہینڈسم آدمی سسر کہلائے، یہ مجھے گوارا نہیں... خوشدامن، واہ وا... میں تو اپنے ہونے والے سسر کو ہرگز سسر نہیں کہوں گا۔ خوش پگڑی یا خوش ٹوپی کیسا رہے گا، خوشدامن کی مناسبت سے؟"

"تم دماغ سے تو اُترے ہوئے نہیں ہو؟" بوڑھا اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"جی نہیں، بالکل نہیں۔"

"تم آخر ہو کون؟ اور فیاض سے کیوں ملنے آئے ہو؟" بوڑھے نے اُسے گھورتے ہوئے کہا اور پھر یک بیک چونک کر بولا۔ "تمہارا نام عمران تو نہیں ہے؟"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا؟" عمران ایک بار پھر اُچھل پڑا۔

"یار، تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ بے بی سے تمہارے بڑے تذکرے سُنے ہیں۔"

"لیکن بات سسر ہی پر رُکی رہے گی۔"

"ختم بھی کرو۔ یہ لفظ مجھے بھی اچھا نہیں لگتا لیکن کیا کیجئے کہ اپنے یہاں... یہی رائج ہے۔"

"چلئے، آپ کہتے ہیں تو میں بصد افسوس اس موضوع کو ترک کرتا ہوں۔"

"بہت اچھا ہوا کہ تم آ گئے۔ میں شدّت سے بور ہو رہا تھا۔ یہاں آؤ تو کوئی بات کرنے کو نہیں ملتا... بے بی سدا کی کم سخن ہے اور رہے فیاض صاحب! تو انہیں کبھی فرصت ہی نہیں ملتی۔"

"تو پھر آپ آتے ہی کیوں ہیں؟"

"مجبوراً آنا پڑتا ہے۔ اس بار ایک اہم مسئلہ کھینچ لایا ہے۔ تم جانتے ہی ہو کہ بے بی لاولد ہے۔ میرے ایک دوست نے اطلاع دی تھی کہ یہاں آج کل ایک

غیر ملکی لیڈی ڈاکٹر مسز فوریل مقیم ہے جو اس معاملے کی ماہر ہے۔ بے شمار لاولد لوگ اس کی کوششوں سے بامراد ہو چکے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں بھی دیکھوں۔"

فوریل کے نام پر عمران کے کان پہلے ہی کھڑے ہو گئے تھے۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں سکون سے سنتا رہا۔ بوڑھا کہہ رہا تھا۔ "میرا وہ دوست بھی ڈاکٹر ہی ہے اور مسز فوریل کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ وہ اس کے طریقِ کار کا مطالعہ کرے۔"

"تو آپ بیگم فیاض کا علاج کرائیں گے؟"

"ہاں، میں اسی لیے آیا ہوں۔"

"تو پھر اس لیڈی ڈاکٹر کو دکھا دیا؟"

"ابھی نہیں۔" بوڑھے نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ "ڈاکٹر ڈیوڈ یعنی میرا دوست، مجھ سے ملنے آ رہا ہے۔ پندرہ منٹ بعد یہاں پہنچ جائے گا۔"

"تو یہ ڈاکٹر ڈیوڈ ہی مسز فوریل کے ساتھ کام کر رہا ہے؟"

"ہاں۔ اس کا کہنا ہے کہ فوریل حیرت انگیز عورت ہے۔ متعدد مایوس خواتین، اس کے طریقِ علاج سے بامراد ہو چکی ہیں۔"

"تب تو بڑی اچھی بات ہے۔" عمران سر ہلا کر بولا۔

"آخر تم نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی؟"

"کسی سے شادی کی درخواست کرتے ہوئے شرم آتی ہے اور ڈیڈی کہتے ہیں کہ جہاں دل چاہے، شادی کر لو۔ میں دخل نہیں دوں گا۔"

"بڑے خوش قسمت ہو۔ میرے ڈیڈی اس معاملے میں بے حد سخت ہیں۔"

"آپ کے ڈیڈی...!" عمران کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہاں، ہاں... وہ زندہ ہیں اور مجھ سے بھی زیادہ زندہ دل واقع ہوئے ہیں۔ پچانوے سال عمر ہے۔ مجھ سے زیادہ تندرست ہیں اور پچھلے ہی سال ایک گونگی خاتون سے شادی کی ہے۔"

"جینیئس۔" عمران سر ہلا کر بولا۔

"کیا مطلب؟"

"گونگی خاتون... واہ، اس عمر میں اتنی عاقبت اندیشی، ہر ایک کے بس کا روگ نہیں۔ میں بھی ان کی زیارت ضرور کروں گا۔"

"اب میرے باپ کا مذاق اڑاؤ گے۔" وہ آنکھیں نکال کر بولا۔

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ آپ سب لاجواب ہیں۔ کیا فیاض صاحب کی خوشدامن تشریف نہیں لائیں؟"

"دس سال ہوئے، وہ دوسری دنیا میں تشریف لے گئیں۔"

"ہائیں، تو کیا آپ نے پھر شادی نہیں کی؟"

"نہیں..." وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"والد، والد ہی ہوتا ہے۔" عمران معنی خیز انداز میں سر ہلا کر بولا۔

"کیا مطلب؟"

"آپ کے والد نے پچانوے سال کی عمر میں شادی کی اور آپ اتنی جلدی ہمت ہار بیٹھے۔"

"یہ بات نہیں ہے۔"

"پھر کیا بات ہے؟"

"نہیں میرے لیے بھی کسی گونگی ہی کی تلاش ہے۔"

"ارے تو اسی سے کر دیتے جس سے خود کی ہے۔"

"کیوں بکواس کرتے ہو۔ اُن سے تو اُن کا رومان چل رہا تھا۔"

"رومان بھی۔" عمران کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

وہ جھلا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ملازم نے آ کر کسی کی آمد کی اطلاع دی اور بوڑھا عمران کو وہیں چھوڑ کر خود اس کے استقبال کے لیے دوڑا چلا گیا۔

عمران نے دیدے نچائے اور ٹھنڈی سانس لے کر چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد بوڑھا ایک عجیب الخلقت آدمی کے ساتھ ڈرائنگ روم میں

داخل ہوا۔ وہ بھی بوڑھا ہی تھا۔۔۔ عمر کے اعتبار سے غیر معمولی طور پر چاق و چوبند اور پھرتیلا نظر آ رہا تھا۔

"میرے دوست، ڈاکٹر ڈیوڈ۔" فیاض کے سسر نے تعارف کرایا۔ "اور یہ ہیں مسٹر عمران!"

"ہاؤ ڈو یو ڈو۔" بوڑھے نے لاپرواہی سے عمران کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن اُس کی توجہ، فیاض کے سسر ہی کی جانب تھی۔ لیکن پھر اُسے چونکنا ہی پڑا۔ جب عمران نے مصافحہ کرنے کی بجائے اُس کی ہتھیلی کو انگلی سے سہلا کر ہاتھ ہٹا لیا۔

وہ، عمران کو گھورتا رہا۔ فیاض کا سسر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ملازم پھر کمرے میں داخل ہو کر عمران سے بولا۔ "آپ کی فون کال ہے، صاحب!"

"م... میری...!" عمران چونک کر بولا۔ "اچھا۔"

وہ، ملازم کے ساتھ اُس کمرے کی طرف چل پڑا۔ جہاں فون رکھا ہوا تھا۔

"ان سسر صاحب کا نام کیا ہے؟" عمران نے اس سے پوچھا۔

"آپ نہیں جانتے؟" ملازم نے حیرت سے پوچھا۔

"میں پہلی بار ملا ہوں۔"

"شبلی صاحب کہلاتے ہیں مغز چاٹ ڈالتے ہیں۔ ہر وقت کوئی باتیں کرنے کو چاہیئے۔"

عمران نے سر کو جنبش دے کر ریسیور اُٹھایا اور دوسری طرف سے صفدر کی آواز سنائی دی۔ "اس عمارت میں اس کے علاوہ اور کوئی ڈنڈا نہیں تھا۔ جو ابھی ابھی فیاض کے بنگلے میں داخل ہوا ہے۔"

"اور یہ کہ فوریل کوئی مرد نہیں، بلکہ عورت ہے۔" عمران نے کہا۔

"آپ جانتے ہیں؟"

"ہاں، ابھی ابھی معلوم ہوا ہے۔ عمارت کہاں ہے؟"

"موڈل ٹاؤن۔ کوٹھی نمبر ایف ایک سو گیارہ۔ واقعی بتائیے کیا وہ ڈنڈا نہیں تھا؟"

"صد فیصد۔"

"لیکن فیاض کے بنگلے میں اس کا کیا کام؟"

"پھر بتاؤں گا۔" کہہ کر عمران نے رابطہ منقطع کر دیا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ ڈرائینگ روم میں واپس جائے یا یہیں سے رخصت ہو جائے۔ اچانک اس نے فیاض کی آواز سُنی جو شاید کسی ملازم کو ہدایات دے رہا تھا۔

"بہت انتظار کراتے ہو۔" عمران نے کمرے سے برآمد ہو کر کہا اور فیاض چونک کر اُسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" اس نے بالآخر سوال کیا۔

"تمہارے خوش پگڑی نے روک لیا تھا۔ ورنہ میں تو واپس جا رہا تھا۔"

"خوش پگڑی...!"

"وہ بدتمیزی کا لفظ میری زبان سے ادا نہیں ہو سکتا۔"

"کیا بک رہے ہو؟"

"شبلی صاحب نے روک لیا۔"

"اوہ..." فیاض طویل سانس لے کر رہ گیا۔

"تم نے پہلے کبھی ذکر نہیں کیا کہ کوئی ایسی شے بھی تمہاری زندگی میں پائی جاتی ہے۔"

"میں نے تمہاری آمد کا مقصد پوچھا تھا۔"

"انسپکٹر شاہد..."

"تمہیں اس سے کیا سروکار؟"

"تم نے خوامخواہ آئی۔ ایس۔ آئی والوں کو میرے پیچھے لگا دیا ہے۔"

"وہ آخر تمہارے پاس کیوں گیا تھا؟"

"پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ وہ کبھی کبھی مجھ سے ملتا رہا ہے۔ ہاں تو اس کا سُراغ ملا یا نہیں؟"

"نہیں۔ شاید تم..." فیاض کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔

"ہاں، شاباش... کہہ ڈالو جلدی سے۔ کیونکہ شبلی صاحب کے پاس ڈاکٹر ڈیوڈ تمہارا ہی منتظر ہے۔"

"لاحول ولا قوۃ... بڑے میاں کا تو دماغ چل گیا ہے۔ ہم جیسے بھی ہیں ٹھیک ہیں۔"

"اس میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے۔" عمران نے کہا۔

فیاض برا سا منہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"اچھا، خدا حافظ۔" عمران مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔

"بات سمجھ میں نہیں آئی۔" فیاض مصافحہ کرتا ہوا بے یقینی سے بولا۔ "تم محض شاہد کے لیے آئے تھے۔"

"یار، تم آئی۔ ایس۔ آئی والوں کو کیا سمجھتے ہو؟ وہ کرنل فیضی، جونک ہے جونک... زندگی تلخ کر دی ہے۔"

فیاض ہنس پڑا۔ پھر بولا۔ "اب آئے ہو، پہاڑ تلے۔"

"تمہاری بدولت۔"

"بہت پریشان کیا ہے، تم نے مجھے۔ اب دیکھوں گا۔"

"کیا تم سنگزار میں دلچسپی نہیں لے رہے ہو؟"

"قطعی نہیں... جن معاملات کا براہِ راست، مجھ سے تعلق نہ ہو، اُن کی طرف میں آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ ناتجربہ کاری کی بنا پر شاہد سے وہ غلطی سرزد ہوئی تھی" "اور پھر اس نامعقول نے مجھے بھی اپنے ساتھ ہی لپیٹ لیا۔ آخر اس دوران میں میرے پاس آنے کی کیا ضرورت تھی، اچھا ٹاٹا۔"

وہ تیز خرامی سے باہر نکلا۔ خدشہ تھا کہ کہیں پھر شبلی سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے۔ ٹو سیٹر کو کمپاؤنڈ سے نکال کر سیدھے راستے پر لگنے کی بجائے سامنے والی عمارت کی طرف لیتا چلا گیا... اور وہیں ایک ایسی جگہ تلاش کر لی۔ جہاں سے فیاض کے بنگلے کی نگرانی کر سکتا۔ وہ ڈاکٹر ڈیوڈ کو چیک کرنا چاہتا تھا۔

جہانگیر جیسے لفنگے کے پاس ڈاکٹر فوریل کے فون نمبر کا کیا کام؟ اور پھر فون نمبر

کے ساتھ ڈیوڈ کا علامتی نام بھی موجود تھا۔ لہٰذا اُسے نظر انداز کر دینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر ڈیوڈ کی کار بنگلے کی کمپاؤنڈ سے نکلی اور سڑک پر بائیں جانب مڑ گئی۔

تھوڑی دیر بعد عمران خاصے فاصلے سے اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ جہاں کہیں بھی سراغ کھو دینے کا خدشہ پیدا ہوتا، اپنی گاڑی کی رفتار بڑھا کر اس کے قریب ہو جاتا۔ لیکن ڈیوڈ کی گاڑی ماڈل ٹاؤن کی طرف نہیں جا رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ شہر سے باہر نظر آئی۔

عمران نے اپنی گاڑی کے ایندھن ظاہر کرنے والے میٹر پر نظر ڈالی اور مطمئن ہو گیا وہ ڈکی میں بھی زائد پٹرول رکھنے کا عادی تھا۔ اس لیے بے فکری سے تعاقب کرتا رہا۔ اچانک اس نے اگلی گاڑی کو ایک کچے راستے پر مڑتے دیکھا اور الجھن میں پڑ گیا لیکن فوری طور پر احساس ہوا کہ اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر سڑک کا موڑ خاصی اونچائی پر واقع ہے۔ وہ اپنی گاڑی آگے لیتا چلا گیا اور بائیں جانب نظر دوڑائی۔ نشیب میں ڈیوڈ کی گاڑی صاف نظر آ رہی تھی۔

عمران نے اپنی گاڑی، سڑک کے کنارے لگا کر روک دی اور ڈیوڈ کی گاڑی پر نظریں جمائے رہا... خاصے طویل و عریض میدان کے بعد باغات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ان ہی باغات میں سے ایک میں، اس نے ڈیوڈ کی گاڑی کو داخل ہوتے دیکھا اور اپنی گاڑی اسٹارٹ کر کے موڑ دی... پھر آگے جا کر وہ بھی کچے راستے پر مڑ گیا۔

لیکن باغات کے قریب پہنچ کر اندازہ لگانا دشوار ہو گیا کہ ڈاکٹر ڈیوڈ کی گاڑی کس باغ میں داخل ہوئی تھی۔

پھر یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ وہ ان ہی باغات میں سے کسی ایک میں رکا بھی ہو۔ ہو سکتا تھا کہ کوئی کچا راستہ کسی باغ میں سے بھی گزرا ہو، اور اس کے سفر کا اختتام ہی نہ ہوا ہو۔ بہرحال اُس نے بے یقینی کے عالم میں گاڑی کو ایک باغ کے

راستے پر ڈال دیا۔

راستہ ناہموار تھا، اس لیے تیز رفتاری سے گاڑی نہیں چلائی جا سکتی تھی... جھاڑیوں کا سلسلہ ختم ہوتے ہی وہ کھلے میدان میں نکل آیا۔ لیکن ڈاکٹر ڈیوڈ کی گاڑی کہیں نظر نہ آئی۔

وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔ آموں کا باغ تھا۔ اس سے گزر کر اس نے گاڑی بائیں جانب موڑی ہی تھی کہ ڈیوڈ کی کار دکھائی دی لیکن وہ خالی تھی اور ڈیوڈ کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

وہ اپنی گاڑی آگے لیتا چلا گیا۔ اور پھر اُسے جھاڑیوں کے ایک ایسے سلسلے کی اوٹ میں روک دیا، جہاں سے وہ، ڈیوڈ کی گاڑی پر نظر رکھ سکتا۔ دُشواری یہ تھی کہ ڈیوڈ، اُسے دیکھ چکا تھا۔ یہاں اس کی موجودگی اسے چونکا دیتی۔

اس نے انجن بند کر دیا اور جیب سے چیونگم کا پیکٹ نکال کر پھاڑنے ہی والا تھا کہ کسی وزنی گاڑی کے انجن کی آواز سنائی دی۔ شاید وہ گاڑی بھی اُدھر ہی سے آ رہی تھی، جدھر سے وہ خود آیا تھا۔

دفعتاً ایک وزنی ٹرک ٹھیک ڈیوڈ کی گاڑی کے برابر ہی آ کر رُک گیا۔ ذرا دیر انجن کی آواز سناٹے میں گونجتی رہی۔ پھر اُسے بند کر دیا گیا۔ ڈرائیونگ سیٹ سے اُترنے والا کسی طرح بھی کوئی پیشہ ور ڈرائیور نہیں معلوم ہوتا تھا۔

وہ ایک طرف چل پڑا۔ لیکن پھر عمران نے اُسے رکتے دیکھا۔ وہ مڑ کر اپنے ٹرک سے کچھ آگے دیکھنے لگا تھا۔ پھر ٹرک ہی کی طرف پلٹ آیا۔ عمران سیدھا ہو بیٹھا۔ شاید اس کی گاڑی کے پہیوں کے نشانات پر اس کی نظر پڑ گئی تھی۔

اب وہ ان ہی نشانات کو نظر میں رکھے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ عمران نے اگنیشن سے کُنجی نکالی اور نیچے اُتر کر بڑی آہستگی سے دروازہ بند کیا پھر گاڑی کو مقفل کر کے جھاڑیوں میں گھستا چلا گیا۔

شاہد کی داہنی ٹانگ پر ٹخنے سے ران کے وسط تک پلاسٹر چڑھا ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس طرح وہ لیٹا ہی رہ سکتا تھا لیکن سوال تو یہ تھا کہ وہ یہاں کیوں لیٹا ہوا تھا۔ لاوارث تو تھا نہیں کہ صاحبِ خانہ نے ازراہِ خدا ترسی اُسے یہاں روک رکھا ہو۔ ہوش آنے پر اسے بتایا گیا تھا کہ اس کی پنڈلی اور ران کی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں اور ڈاکٹر نے کروٹ لینے کی بھی ممانعت کر دی ہے۔ لہٰذا چت ہی لیٹا رہ سکتا ہے۔

ایک نوجوان اور خوبصورت لڑکی، اس کی تیماردار تھی۔ اس نے اسی کو بتایا تھا کہ وہ باغ میں بیہوش پڑا ملا تھا۔

"اور میری موٹر سائیکل؟" شاہد نے کراہ کر پوچھا۔

"وہ محفوظ ہے۔" لڑکی نے جواب دیا۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے سوال کیا تھا! "تم یہاں ہمارے باغات میں کیا کر رہے تھے؟"

"مجھے چند لوگوں نے گھیر لیا تھا۔" شاہد نے کہا۔

"یہاں، ہمارے باغات میں؟" لڑکی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں، یہیں... اگر یہ عمارت کسی باغ ہی میں واقع ہے۔"

"ہماری یہ کوٹھی باغات کے درمیان ہی میں بنی ہوئی ہے لیکن یہاں کوئی کسی کو نہیں گھیر سکتا۔"

"وہ لوگ مجھے گھیر کر یہاں لائے تھے۔" شاہد نے کہا۔

"ہاں، یہ ہو سکتا ہے کہ باہر ہی کے لوگ رہے ہوں۔"

"اس واقعے کو کتنا وقت گزر چکا ہے۔"

"پرسوں کی بات ہے۔ آپ پورے ڈھائی دن بیہوشی کی سی کیفیت میں رہے ہیں۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" شاہد نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "آپ کہتی ہیں کہ میری ٹانگ کی ہڈی دو جگہوں سے ٹوٹ گئی ہے لیکن میں ذرہ برابر بھی تکلیف نہیں محسوس کر رہا۔"

"یہ ہمارے ڈاکٹر کا کمال ہے۔ وہ آپ کو ایسے انجکشن دے رہا ہے کہ آپ تکلیف نہ محسوس کریں۔"

"میں نے آج تک ایسے انجکشن کے بارے میں نہیں سنا جو ہڈی کی تکلیف کو اس طرح رفع کر سکے۔ یہ اور بات ہے کہ مریض کو مارفیا کا انجکشن دے کر سلا دیا جائے۔"

"میں اس کے بارے میں تفصیل سے نہیں جانتی۔ آپ ڈاکٹر ہی سے پوچھ لیجئے گا۔" لڑکی نے کہا۔

"خیر..." شاہد طویل سانس لے کر بولا۔ "آپ براہِ کرم میرے آفیسر کو میرے حالات سے مطلع کرا دیجئے۔"

"کس سے اطلاع بھجوا سکتی ہوں۔ یہاں فی الحال میرے علاوہ اور کوئی بھی نہیں ہے۔ دراصل ہم لوگ ایک ہفتے کی چھٹیاں گزارنے کے لیے شہر سے یہاں آئے تھے۔ اچانک اطلاع ملی کہ ہمارے ایک عزیز کا انتقال ہو گیا ہے۔ پھر آپ بے ہوش پڑے مل گئے۔ آپ کو طبی امداد فراہم کرنے کے بعد خاندان کے دوسرے لوگ شہر واپس چلے گئے اور مجھے یہ ذمے داری سونپ گئے کہ آپ کی دیکھ بھال کروں۔"

"میں آپ لوگوں کا بے حد شکر گزار ہوں۔ اپنے بزرگوں میں سے کسی کے نام سے آگاہ کیجئے۔ شاید میں اُنہیں جانتا ہوں۔"

"میرے ڈیڈی کا نام شہباز چوہدری ہے۔"

"چوہدری ملٹی انڈسٹریز والے تو نہیں؟"

"جی ہاں، وہی۔"

"اوہ... اُنہیں کون نہ جانے گا۔ اتنے بڑے سوشل ورکر اور ملک کے متمول ترین افراد میں سے ہیں۔ آپ لوگوں کو میری وجہ سے بڑی تکلیف ہوئی۔"

"بالکل نہیں۔" وہ ہنس کر بولی۔ "تکلیف میں تو آپ ہیں۔"

"اگر یہاں نہ ہوتا تو یقیناً تکلیف ہی میں ہوتا۔ ٹانگ کی ہڈی دو جگہ سے ٹوٹ گئی ہے۔ پتا نہیں کون سے اور کتنے قیمتی انجکشن لگوائے گئے ہیں کہ تکلیف کا ذرہ برابر بھی احساس نہیں ہے۔"

"پتا نہیں، ڈیڈی جانیں۔"

"میرا نام شاہد ہے اور میں محکمۂ سراغرسانی کا انسپکٹر ہوں۔"

"خدا کی پناہ۔"

"کیا میری جیب سے میرے کاغذات نہیں برآمد ہوئے تھے؟"

"ہرگز نہیں۔ ورنہ ڈیڈی شہر گئے تھے۔ آپ کے محکمے کے کسی بڑے آفیسر کو ضرور مطلع کر دیتے۔"

"تو ان بدمعاشوں نے میرے کاغذات بھی غائب کر دیئے۔" شاہد طویل سانس لے کر بولا۔

"ہوا کیا تھا؟"

"میں ایک مجرم کا تعاقب کر رہا تھا۔ وہ بھی موٹر سائیکل ہی پر تھا۔ میں شہر سے اس کا تعاقب کرتا ہوا یہاں پہنچا۔ وہ ایک باغ میں داخل ہوا اور پھر میری بے خبری میں کئی افراد جھاڑیوں سے نکلے اور مجھ پر ٹوٹ پڑے۔"

"بات سمجھ میں نہیں آئی۔" لڑکی نے حیرت سے کہا۔

واقعی سمجھ میں آنے والی بات نہیں تھی لیکن شاہد تفصیل سے اُسے آگاہ نہیں کر سکتا تھا۔ لہٰذا جلدی سے بولا۔ "اسی پر تو مجھے بھی حیرت ہے کہ آخر اُس کے ساتھیوں کو کیسے علم ہو گیا کہ میں، اس کا تعاقب کر رہا ہوں اور وہ پہلے ہی سے یہاں گھات لگا کر بیٹھ گئے۔"

"ہو سکتا ہے کہ اس بدمعاش نے خود ہی آپ کو تعاقب کی ترغیب دی ہو۔"

"آپ بہت ذہین ہیں۔" شاہد مسکرا کر بولا۔ "اس کے علاوہ اور کوئی بات ہو

ہی نہیں سکتی۔ لیکن اب میں اپنے محکمے کو کس طرح اطلاع دوں؟"

"میں کیا بتاؤں، کوئی ملازم بھی موجود نہیں ہے۔"

"بڑی حیرت کی بات ہے کہ گھر والے آپ کو تنہا چھوڑ گئے ہیں۔ جب کہ انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ ان حالات میں اس قسم کی وارداتیں ہو سکتی ہیں۔"

"انہیں علم ہے کہ میں اپنی حفاظت آپ ہی کر سکتی ہوں۔" لڑکی نے لاپرواہی سے کہا۔

"کمال ہے۔"

"پچھلے سال میں نے تین غُنڈوں کو زخمی کر کے اپنے ایک خزانچی کو لُٹنے سے بچایا تھا۔" لڑکی نے فخر سے گردن اُٹھا کر کہا۔

"اوہ... تو آپ... مجھے یاد ہے... کیا نام ہے، آپ کا؟"

"شہلا چوہدری..."

"بڑی خوشی ہوئی، آپ سے مِل کر۔ واقعی آپ نے کمال کر دیا تھا۔ تین فائر کیے تھے اور تینوں کی ٹانگیں بے کار ہو گئی تھیں۔"

"میں رائفل کلب سے ٹرافی بھی لے چکی ہوں۔"

"جی ہاں، مجھے علم ہے... واقعی آپ اپنی حفاظت خود کر سکتی ہیں۔"

"جوڈو اور کراٹے پر بھی دسترس رکھتی ہوں۔"

"ضرور ہو گی... ضرور ہو گی۔"

"کاش! میں اس وقت وہاں موجود ہوتی، جب وہ بدمعاش آپ پر حملہ آور ہوئے تھے۔"

"بدقسمتی میری کہ ایسا نہ ہو سکا۔"

"شہلا چوہدری نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ "ڈاکٹر ابھی تک نہیں آیا۔"

شاہد کچھ نہ بولا۔ آج ہی تو اُسے ہوش آیا تھا اور ڈاکٹر سے ابھی تک اُس کی

ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

"کیا نیند آ رہی ہے؟" شہلا نے پُوچھا۔

"جی نہیں۔ کیا میں بیٹھ نہیں سکتا؟"

"ہرگز نہیں۔ ڈاکٹر نے کروٹ لینے تک کی اجازت نہیں دی۔"

"پیر میں تکلیف تو نہیں ہے۔ پھر کیا حرج ہے؟" شاہد نے کہا۔

"مجبوری ہے، مسٹر شاہد! ڈاکٹر کی ہدایت کے خلاف کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔"

"خیر جیسی آپ کی مرضی۔" شاہد نے ٹھنڈی سانس لی۔ لڑکی نے اُسے متاثر کیا تھا۔

"کھانے کے لیے کچھ لاؤں؟"

"نہیں، شُکریہ... ابھی بھوک نہیں ہے۔"

اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی اور شہلا دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ پھر شاہد نے اُسے کہتے سُنا۔ "اوہ، ڈاکٹر صاحب! آئیے، آئیے۔"

اور اچانک شاہد کی نظر نووارد پر پڑی۔ عجیب الخلقت آدمی تھا۔ اسے دیکھ کر ذہن کی سطح پر کسی بِجّے کا تصور اُبھرا تھا۔ شاہد ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔

"کیا حال ہے؟" نووارد نے شہلا سے پُوچھا۔

"خود دیکھ لیجیے، اب ہوش میں ہیں۔"

وہ شاہد کے قریب آیا اور خاموشی سے اُسے بغور دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔

"ابھی انجکشن لگیں گے۔"

"ل... لیکن میرے پیر میں ذرّہ برابر بھی تکلیف نہیں ہے۔" شاہد نے کہا۔

"یہ میرا طریقِ علاج ہے۔" ڈاکٹر مُسکرا کر بولا اور اپنے ہینڈ بیگ سے ہائپوڈرمک سرنج نکالی۔

"کیوں نہ ڈاکٹر صاحب میرے محکمے کو اطلاع دے دیں۔" شاہد نے شہلا کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہاں، یہ ممکن ہے۔" شہلا بولی اور ڈاکٹر سے اس کا تعارف کرانے لگی۔

"اوہ، تو آپ پولیس آفیسر ہیں!" ڈاکٹر نے کہا۔

"جی ہاں، اور میری غیرحاضری میرے لیے دشواریاں پیدا کر سکتی ہے۔"

"میں، آپ کے آفیسر کو ضرور مطلع کر دوں گا۔" ڈاکٹر نے کہا۔ پھر شاہد اُسے بتانے لگا کہ اس سلسلے میں کیا کرنا ہوگا۔

ڈاکٹر سرنج کو لوڈ کر چکا تھا۔

شہلا نے اس کا بازو دبا کر رگ اُبھاری اور ڈاکٹر نے انجکشن لگا دیا۔

شاہد کا ذہن ایک بار پھر اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا۔

نہ جانے کیوں اچانک شہلا کے چہرے پر ناگواری کے آثار پیدا ہو گئے تھے اور وہ ڈاکٹر کو کینہ توز نظروں سے دیکھے جا رہی تھی۔ دفعتہً ڈاکٹر، اس کی طرف مُڑ کر بولا

"اب اسے ہوش میں نہیں آنا چاہیئے۔"

"میں اس سلسلے میں کیا کر سکوں گی؟" شہلا نے کسی قدر تلخ لہجے میں سوال کیا۔

"وہ مشین...." ڈاکٹر، اس کی طرف دیکھے بغیر بولا۔

"پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ یہاں بجلی نہیں ہے۔ مشین کیسے چلے گی!"

"اس کا بھی انتظام کر دیا گیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد ایک ٹرک یہاں پہنچ جائے گا۔ ٹرک کا انجن چلا کر مشین کا تار، اس کے ڈائینامو سے منسلک کر دینا۔ مشین کارآمد ہو جائے گی۔"

"کتنی دیر مشین چلانی ہوگی؟"

"گھڑی دیکھ کر دس منٹ.... ہر تین گھنٹے کے بعد۔"

"مستقل دردِ سر... اور پھر یہ ایک پولیس آفسر ہے۔"

"تم اس کی پرواہ مت کرو۔"

"ڈاکٹر ڈیوڈ... یہاں کا ایک معمولی کانسٹیبل بھی بہت با اختیار ہوتا ہے۔" شہلا نے ناگواری سے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔"

"ڈیڈی ایک باعزت آدمی ہیں۔ قانون کا احترام کرتے ہیں۔"

"میں یہ بھی جانتا ہوں۔"

"تو پھر...."

"تو پھر کچھ بھی نہیں۔ جب میں اسے دوبارہ ہوش میں لاؤں گا تو یہ سب کچھ بھول چکا ہوگا۔ حتیٰ کہ اسے اپنا نام تک یاد نہیں آئے گا۔"

"کیا ہمیشہ کے لیے؟"

"اپنے کام سے کام رکھو، لڑکی! اتنے سوالات کیوں کر رہی ہو؟"

"سوالات اس لیے کر رہی ہوں کہ یہ سب کچھ ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آسکا۔"

"اسے سمجھنا، تمھاری ذمّے داری نہیں ہے۔"

"تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں تمھارے مشوروں پر عمل کیوں کروں؟"

"تمھارا باپ جانتا ہے کہ تم اس کے لیے مجبور ہو۔"

"کیا مطلب؟" شہلا کی بھنویں تن گئیں۔

"ہر سوال کا جواب اپنے باپ ہی سے طلب کرنا... اور یہ وارننگ ہے کہ اگر تم ے میری ہدایات کے خلاف کچھ کیا تو تمھارے باپ کی گردن میں پھانسی کا پھندا ہوگا۔" کٹر نے کہا اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

بالآخر عمران کی نظر اُس عمارت پر پڑی جو باغات کے وسط میں واقع تھی اور وہ پھر پٹ پڑا۔ جھاڑیاں اس کے قد سے بھی کئی فٹ اُونچی تھیں اور اتنی گھنی تھیں کہ وہ سانی خود کو چھپائے رکھ سکتا تھا لیکن چلنے میں دشواری پیش آرہی تھی۔

پھر وہ اسی جگہ جا پہنچا جہاں اپنی گاڑی کھڑی کی تھی۔ ٹرک سے اُترنے والا گاڑی

کے قریب اکڑوں بیٹھا ہوا نظر آیا اور گاڑی کا گوشہ جھکا ہوا تھا۔ شاید وہ ایک ٹائر کی ہوا نکال چکا تھا اور اب شاید دوسرے پر ہاتھ صاف کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

عمران جھاڑیوں سے نکل کر اس کے قریب پہنچ گیا۔

"ارے... ارے... یہ تم... مم... میری گاڑی کی ہوا کیوں نکال رہے ہو؟" اس نے احمقانہ انداز میں کہا اور ٹرک ڈرائیور یک بیک اُٹھ کھڑا ہوا۔

"تمہیں باغ میں داخل ہونے کی جرأت کیسے ہوئی؟" وہ آنکھیں نکال کر بولا۔

"ضض... ضرورتاً" عمران ہکلایا۔ "ضرورتاً مجھے گھنی جھاڑیوں کی تلاش تھی۔"

"بھاگ جاؤ۔"

"کک... کیسے بھاگ جاؤں؟" عمران نے بے بسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا... "تت... تم نے تو ہوا نکال دی ہے۔"

"اسپیئر وھیل نکال کر لگاؤ اور نو دو گیارہ ہو جاؤ۔"

"واہ! میں کیوں لگاؤں، اسپیئر وھیل؟ تم نے ہوا نکالی ہے، اس لیے تم ہی لگاؤ۔" عمران نے بڑی سادگی سے کہا۔

"بکواس مت کرو۔ جتنی جلد ممکن ہو، یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ ہری اَپ!"

عمران نے جیب سے کنجی نکال کر ڈگی کھولی اور پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ "جیک اور اسپیئر وھیل موجود ہیں۔ جلدی سے تبدیل کر دو۔"

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔" ٹرک ڈرائیور اکڑ کر بولا۔ "میں پہیہ تبدیل کروں گا؟"

"زندگی عزیز ہو گی تو ضرور کرو گے۔"

"یہ بات ہے۔" سفاک سی مسکراہٹ ٹرک ڈرائیور کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی اور وہ آہستہ آہستہ عمران کی طرف بڑھنے لگا۔

عمران، اس کے ارادے سے بخوبی واقف تھا لیکن بونقوں کی طرح منہ اُٹھائے کھڑا رہا۔ ٹرک ڈرائیور کے ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ تھی جیسے قریب پہنچ کر اس

کی ٹھوڑی کو ہاتھ لگا کر خوشامدانہ لہجے میں کہے گا کہ اچھے بچوں کی طرح خود ہی پہیہ تبدیل کر لو لیکن تین قدم کے فاصلے پر پہنچ کر جھپٹ پڑا۔

عمران نے پھرتی سے بائیں جانب ہٹ کر چھلانگ لگائی اس طرح کہ اس کی داہنی لات ٹرک ڈرائیور کی بائیں کنپٹی پر پڑی اور وہ اچھل کر دور جا گرا۔ پھر عمران، اُسے اُٹھنے کی مہلت کب دینے والا تھا۔ دوسری ٹھوکر اس کے بائیں پہلو پر پڑی اور وہ کراہ کر پلٹ گیا۔ تیسری ٹھوکر سر پر پڑتی لیکن وہ پھنسی پھنسی سی آواز میں چیخا "نہیں۔"

عمران رک گیا اور ٹرک ڈرائیور دونوں ہاتھوں سے بایاں پہلو دبائے رک رک کر سانس لیتا رہا۔

"اُٹھو... اور پہیہ تبدیل کرو، ورنہ میں جان سے بھی مار سکتا ہوں۔" عمران اسے بالوں سے پکڑ کر اُٹھاتا ہوا بولا اور گاڑی کے قریب گھسیٹ لایا۔ اسی دوران میں اس کی جیبیں بھی ٹٹول لی تھیں۔ وہ غیر مسلح تھا۔

"چلو، جلدی کرو۔" عمران نے اُسے ڈگی کی طرف دھکا دیا۔ وہ کھلی ہوئی ڈگی پر دونوں ہاتھ ٹیک کر جھک گیا اور ہانپتا رہا لیکن اُس کے چہرے پر خوف کی بجائے غیظ و غضب کے آثار تھے۔

اچانک وہ ڈگی سے جیک نکال کر عمران کی طرف گھوما۔ اگر عمران پھرتی سے بیٹھ نہ گیا ہوتا تو سر کے کئی ٹکڑے ہو جاتے۔ وحشیانہ انداز میں پھینکا ہوا جیک، اُس کے اوپر سے گزرتا چلا گیا۔

وہ پھر ڈگی سے اور کچھ نکال لینے کے لیے مڑا ہی تھا کہ عمران نے اس پر چھلانگ لگائی اور اس بار تو رگڑ ہی کر رکھ دیا۔

نتیجہ ظاہر ہے۔ وہ اس قابل نہ رہا کہ اُس کی خواہش کے مطابق گاڑی کا پہیہ بدل سکتا۔ عمران نے اس کی ٹائی کھول کر ہاتھ پشت پر باندھ دیئے اور پیروں کی بندش کے لیے اپنی ٹائی استعمال کی۔

شاید عمران کو احساس ہو گیا تھا کہ وہ خواہ مخواہ وقت ضائع کر رہا ہے۔ اس لیے

اس نے اس بار اُسے ہوش میں نہ رہنے دیا۔

پھر اُسے گاڑی کے پاس سے ہٹا کر جھاڑیوں میں پہنچاتے وقت اُس نے دیکھا کہ ڈاکٹر ڈیوڈ عمارت سے نکل کر اُس طرف جا رہا ہے، جہاں اُس نے اپنی گاڑی کھڑی کی تھی۔ عمران جلدی سے اپنی گاڑی میں آ بیٹھا تاکہ اُس پر نظر رکھ سکے۔

ڈیوڈ اپنی گاڑی کے قریب کھڑے ٹرک تک آیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ شاید اُسے ٹرک ڈرائیور کی تلاش تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک یونہی کھڑا رہا پھر ٹرک کی ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا۔

انجن کی آواز سناٹے میں گونجنے لگی اور عمران نے ٹرک کو حرکت میں آتے دیکھا۔ ڈاکٹر ڈیوڈ اُسے موڑ کر عمارت کی طرف لے جا رہا تھا۔ عمران پھر اپنی گاڑی سے اُتر کر جھاڑیوں میں جا گھسا۔

ڈاکٹر ڈیوڈ نے ٹرک عمارت کے قریب کھڑا کر دیا تھا۔ دفعتہً عمران کو ایک لڑکی نظر آئی جو عمارت کے برآمدے میں کھڑی تھی۔ ڈاکٹر ڈیوڈ ٹرک سے اُتر کر لڑکی سے کچھ کہنے لگا تھا۔

پھر لڑکی تو وہیں کھڑی رہی تھی اور ڈاکٹر ڈیوڈ شاید واپسی کے لیے مڑ گیا تھا۔

کیا وہ، اس کا تعاقب جاری رکھے؟ عمران نے خود سے سوال کیا۔ وہ پھر اسی مقام پر واپس آ گیا جہاں سے ڈاکٹر ڈیوڈ کی گاڑی پر نظر رکھی تھی اور یہاں پہنچ کر اُسے یاد آیا کہ اس کی گاڑی فی الحال بیکار ہو چکی ہے۔ جتنی دیر میں وہ پہیہ تبدیل کرے گا، ڈاکٹر ڈیوڈ کی گاڑی نظروں سے اوجھل ہو چکی ہو گی۔ وہ طویل سانس لے کر رہ گیا۔

ڈاکٹر ڈیوڈ سیدھا اپنی گاڑی کی طرف آیا تھا۔ انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز عمران نے سُنی اور نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے ڈاکٹر ڈیوڈ کی گاڑی کو دائیں جانب مڑتے دیکھتا رہا۔

تھوڑی دیر تک گُم سُم بیٹھے رہنے کے بعد وہ اپنی گاڑی سے اُتر کر جھاڑیوں میں جیک تلاش کرنے لگا۔

ٹرک ڈرائیور اب بھی بے ہوش پڑا تھا۔ جیک مِل جانے کے بعد اُس نے سب سے پہلے گاڑی کے گلو ڈیپارٹمنٹ سے اڈیسیو ٹیپ نکال کر ٹرک ڈرائیور کے ہونٹوں پر چپکا دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی گاڑی عین عمارت کے برآمدے کے نیچے جا کھڑی ہوئی۔ ٹرک بھی وہیں موجود تھا۔ عمران نے گاڑی کا ہارن بجانا شروع کر دیا اور تھوڑی دیر بعد وہی لڑکی برآمدے میں نظر آئی جسے کچھ دیر پہلے بھی دُور سے دیکھ چکا تھا لیکن اُسے قریب سے دیکھ کر اُسے چونکنا پڑا۔ کیونکہ وہ اس لڑکی کو پہچانتا تھا۔

وہ گاڑی سے اُتر آیا اور اس نے محسوس کیا کہ لڑکی اُسے اس طرح دیکھ رہی ہے جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔

"کیا مجھے یہاں ٹھنڈا پانی مل سکے گا۔" عمران نے احمقانہ انداز میں سلام کے لیے ہاتھ اُٹھا کر پوچھا۔

"جج... جی ہاں... اوہ... اندر تشریف لے چلیے۔" لڑکی جلدی سے بولی۔ "شاید میں آپ کو پہچانتی ہوں۔"

اوہ... شش... شاید میں بھی آپ کو جانتا ہوں۔ آپ مس شہلا چوہدری ہیں نا؟"

"جی ہاں، جی ہاں۔" لڑکی اظہارِ مسرت کرتی ہوئی بولی۔ پھر اسے نشست کے کمرے میں لا کر بٹھاتے ہوئے اس نے کہا۔ "میں، آپ کے لیے پانی لا رہی ہوں۔"

وہ چلی گئی اور عمران خاموش بیٹھا، اپنے چہرے پر مزید احمقانہ تاثرات پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد شہلا پانی کا گلاس لیے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔

"تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔" عمران اُٹھتا ہوا بولا۔

"آپ بیگم ثریا سلمان کے بھائی ہی ہیں نا۔"

"ثریا سلمان... جی ہاں، جی ہاں!" عمران نے اس سے گلاس لیتے ہوئے

بوکھلا کر کہا۔

"اور آپ کے ڈیڈی انٹیلیجنس کے ڈائریکٹر جنرل ہیں؟"

"ارے ہاں، یہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔" عمران چونک کر بولا۔

"بیٹھ جائیے نا۔ آپ کھڑے کیوں ہیں؟"

"جی، جی ہاں۔" کہتا ہوا وہ بیٹھ گیا اور غٹ غٹ پانی پینے لگا۔

"میں ایک دشواری میں پڑ گئی ہوں۔ شاید آپ کچھ مدد کر سکیں۔"

"ضرور... ضرور۔"

"یہاں آپ کے ڈیڈی کے محکمے کا ایک آفیسر بھی موجود ہے۔"

"کک... کہاں...؟" عمران بوکھلائے ہوئے انداز میں چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"وہ اُٹھ نہیں سکتا۔ اندر بستر پر پڑا ہوا ہے اور اس وقت بیہوش بھی ہے۔"

"میرے ڈیڈی کے محکمے میں آنے کے بعد سب اسی طرح بے ہوش ہو جاتے ہیں۔" عمران خوش ہو کر فخریہ لہجے میں بولا۔

"آپ سمجھے نہیں۔ اس کی ایک ٹانگ پر پلاسٹر چڑھا ہوا ہے۔"

"دوسری ٹانگ غلطی سے خالی رہ گئی ہو گی۔" عمران نے کہا۔

"اپنا نام شاہد بتاتا ہے، انسپکٹر شاہد۔"

"وہی تو نہیں، جس کی ناک کی نوک پر تِل ہے اور دور سے ایسا لگتا ہے، جیسے اس نے ناک پر مکھی بیٹھنے دی ہو؟"

"جی ہاں... وہی وہی۔"

"لیکن وہ یہاں کیوں بے ہوش پڑا ہے؟"

"یہی تو میں، آپ کو بتانا چاہتی ہوں۔"

"میں سُن رہا ہوں۔"

"اسے یہاں بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا تھا اور ڈاکٹر ڈیوڈ نے بتایا

تھا کہ ٹانگ کی ہڈّی دو جگہوں سے ٹوٹ گئی ہے۔ لہٰذا اس نے پلاسٹر چڑھا دیا تھا لیکن مجھے یقین نہیں ہے کہ اُس کی ٹانگ کی ہڈّیاں ٹوٹی ہوئی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ اُسے یہاں روکے رکھنے کے لیے یہ حرکت کی گئی ہو۔"

"آپ کے علاوہ یہاں اور کون کون بے ہوش نہیں ہے۔"

"میں تنہا ہوں، اس کی دیکھ بھال کے لیے۔"

"کیا آپ کے ڈیڈی کو اس کا علم ہے؟"

"کیوں نہیں۔ ان ہی کی ہدایت کے مطابق مجھے یہاں رُکنا پڑا ہے ورنہ میں، ڈاکٹر ڈیوڈ کو کیا جانوں۔"

"یہ ڈاکٹر ڈیوڈ کون ہے؟"

"میں نہیں جانتی۔ ڈیڈی کے ملاقاتیوں میں سے کوئی ہے۔"

"ڈاکٹر ڈیوڈ۔" عمران آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "وہی تو نہیں۔ وہ انسان نما بُڈّا؟"

"بہت خوب۔" شہلا ہنس کر بولی۔ "بڑی مناسب تشبیہ ہے۔"

"ہے نا۔" عمران اس سے بھی زیادہ زور سے ہنس کر بولا۔

"واقعی، اسے دیکھ کر کسی خزاں رسیدہ بُڈّے ہی کا تصوّر ذہن میں اُبھرتا ہے۔"

"سبحان اللہ... خزاں رسیدہ بھی۔" عمران اسے ستائش آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ "اب پوری طرح بات بنی ہے۔ لیکن آپ یہ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ انسپکٹر شاہد کی ٹانگ کی ہڈّی محفوظ ہے؟"

"آج ہی تو وہ ہوش میں آیا تھا اور بتایا تھا کہ اس کی ٹانگ میں کسی جگہ بھی کوئی تکلیف نہیں ہے۔"

"پھر کیسے بے ہوش ہو گیا تھا؟"

"ڈاکٹر ڈیوڈ نے کچھ دیر پہلے بے ہوشی کا انجکشن دیا ہے۔ آخر بے ہوشی کا انجکشن دیا ہی کیوں گیا؟ جب کہ مریض نے کسی قابلِ برداشت یا ناقابلِ برداشت تکلیف

کی شکایت نہیں کی تھی۔"

"واقعی سوچنے کی بات ہے۔" عمران سر ہلا کر بولا۔

"ڈاکٹر ڈیوڈ چاہتا ہے کہ وہ یہاں اسی طرح بے بس پڑا رہے اور کسی کو بھی نہ معلوم ہونے پائے کہ وہ کہاں ہے۔ مجھ سے کہا گیا ہے کہ اب میں اسے ہوش میں نہ آنے دوں"

"تو پھر آپ کیا کریں گی؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں؟ اسی لیے تو آپ کی آمد پر خوشی ہوئی تھی۔"

"مم... میں نہیں سمجھا۔"

"آپ بتائیے کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے؟"

"اگر آپ نے اپنی مرضی سے کچھ کیا تو آپ کے ڈیڈی کیا کریں گے؟"

"میں نہیں جانتی لیکن ڈاکٹر ڈیوڈ کے رویے سے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے ڈیڈی، اُس کے دباؤ میں ہوں۔"

"بلیک میلنگ!" عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"اسی کا خدشہ ہے۔"

"تو پھر آپ شاہد کو مسلسل بے ہوش رکھیں گی؟"

"جی ہاں۔ اُس نے یہی کہا ہے۔"

"انجکشن..." عمران، اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

"نہیں، مشین۔"

"مشین... کیسی مشین؟"

"ٹھہریئے! میں آپ کو لا کر دکھاتی ہوں۔"

وہ چلی گئی۔ عمران کی آنکھوں میں فکر مندی کے آثار تھے۔ شہلا کی واپسی جلدی ہی ہوئی تھی۔ اس کے دائیں ہاتھ میں ایک بریف کیس تھا۔ جسے اس نے سینٹر ٹیبل پر رکھ دیا اور عمران سے بولی۔ "یہ مشین بجلی سے چلتی ہے۔"

عمران اُٹھ کر میز کے قریب پہنچ چکا تھا۔ شہلا نے بریف کیس کا ڈھکنا اُٹھایا اور

بولی۔ "یہ سوئی جو اس نلکی سے لگی ہوئی ہے، کلائی کے جوڑ کی نس کو ابھار کر اس میں داخل کر دی جائے گی پھر اس کے بعد گھڑی دیکھ کر دس منٹ تک مشین چلائی جائے گی۔ ہر تین گھنٹے بعد اس طرح بے ہوشی جاری رہے گی۔"

"کتنے دنوں کا پروگرام ہے؟"

"یہ تو ابھی اس نے نہیں بتایا۔"

"کیا شاہد ہوش میں آنے کے بعد ہوش ہی کی باتیں کرتا رہا تھا۔"

"جی ہاں، بالکل۔ ورنہ مجھے کیسے معلوم ہوتا کہ وہ کون ہیں؟"

"اور پھر ڈیوڈ نے اُسے انجکشن دے کر دوبارہ بے ہوش کیا ہے؟"

"جی ہاں۔"

"اس کے بعد مزید بے ہوش رکھنے کے لیے مشین کا استعمال بتایا گیا ہے؟"

"جی ہاں۔ انجکشن کو تین گھنٹے گزرنے کے بعد سے مشین کا استعمال شروع کر دیا جائے گا۔"

"آپ نے کہا تھا کہ مشین بجلی سے چلتی ہے لیکن یہاں مجھے بجلی کا کوئی سلسلہ نظر نہیں آیا۔" عمران چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"بجلی کے حصول کے لیے وہ یہاں ایک ٹرک منگوا کر چھوڑ گیا ہے۔ ٹرک کا انجن چلا کر اس کے ڈائینامو سے مشین کا تار منسلک کر دیا جائے گا۔ اس طرح مشین کارآمد ہو جائے گی۔"

"ان ساری باتوں کا علم ہے، آپ کے ڈیڈی کو؟"

"بالکل، لیکن میں یہ نہیں کہہ سکتی کہ وہ مسٹر شاہد کی اصلیت سے بھی واقف ہیں یا نہیں۔"

"کیا وہ، اُن کی موجودگی میں ہوش میں نہیں آیا تھا؟" عمران نے پوچھا۔

"جی نہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ کے ڈیڈی نادانستہ طور پر کسی بڑی دشواری میں

پڑنے والے ہیں۔"

"میں بھی یہی محسوس کر رہی ہوں۔ اسی لیے تو آپ سے ساری باتیں کہہ دی ہیں۔ دراصل اس معاملے میں، میں پہلے ہی سے پریشان رہی ہوں۔"

"کوئی اور قصہ بھی ہے کیا؟"

"جی ہاں، اصل اُلجھن تو وہیں سے شروع ہوئی تھی۔ ورنہ بے شمار غیر ملکی لوگ ڈیڈی کے مہمان بنتے رہتے ہیں۔"

"ڈاکٹر ڈیوڈ غیر ملکی تو نہیں ہے۔" عمران نے کہا۔ "دیسی عیسائی معلوم ہوتا ہے۔"

"غالباً گوا کا باشندہ ہے۔"

"اس کی بات نہیں ہے۔ ڈیوڈ کے توسط سے ایک غیر ملکی عورت ڈاکٹر فوریل ڈیڈی کی مہمان بنی تھی۔ اس کا قیام، ہماری ماڈل ٹاؤن والی کوٹھی میں ہے۔ اس کے ساتھ ایک دیسی آدمی بھی تھا۔ جو بعد میں میرے لیے اُلجھن کا باعث بن گیا۔ پھر شاید پولیس والے بھی اُلجھن میں پڑ گئے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"اخبارات میں اس کے بارے میں بہت کچھ آیا ہے۔ میرا اشارہ سنگزاد کی طرف ہے۔ غالباً آپ نے بھی اس کے بارے میں پڑھا ہوگا۔"

"جی ہاں۔ اچھا تو وہ پہلے ڈاکٹر فوریل کے ساتھ تھا؟"

"جی ہاں... اور پھر میں نے اخبارات میں اس کی تصویریں دیکھیں اور ڈیڈی سے اس کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگے کہ میں اس سلسلے میں خاموشی اختیار کروں ورنہ انہیں نقصان پہنچے گا اور مجھے یقین ہے کہ وہ خائف تھے۔"

"بلیک میلنگ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔" عمران سر ہلا کر بولا۔

"تو پھر آپ بتائیے کہ میں کیا کروں؟"

"آپ نے بہت اچھا کیا کہ مجھے سب کچھ بتا دیا۔ اب میں شاہد کو یہاں سے اُٹھا لے جاؤں گا۔"

"لیکن ہم لوگوں کا کیا بنے گا؟ کیا واقعی ڈیڈی کسی قسم کے مجرم گردانے جائیں گے؟"

"میری کوشش یہی ہوگی کہ آپ لوگوں پر کوئی الزام نہ آنے پائے۔ ہمارے بہتیرے سادہ لوح شہری غیر ملکی ایجنٹوں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔"

"خدا کا شکر ہے کہ پہلے آپ ہی جیسے سمجھدار آدمی سے ملاقات ہو گئی لیکن اگر آپ مسٹر شاہد کو اُٹھا لے گئے تو ڈاکٹر ڈیوڈ سے کیا کہا جائے گا!"

"اس کا انتظام بھی میں پہلے ہی کر چکا ہوں۔"

"کیا انتظام کر چکے ہیں؟"

"بات دراصل یہ ہے کہ میں پہلے ہی سے ڈاکٹر ڈیوڈ کے تعاقب میں تھا۔"

"خدا کی پناہ...!"

"اور اس وقت وہ ٹرک ڈرائیور بھی میرے قبضے میں ہے جو اس ٹرک کو یہاں تک لایا تھا۔" عمران نے کہا اور ٹرک ڈرائیور والا واقعہ اُسے بتانے لگا۔

"تو وہ جھاڑیوں میں بندھا پڑا ہے؟" شہلا نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ میں اُسے اُٹھا کر یہاں ٹرک میں ڈال جاؤں گا اور آپ، ڈاکٹر ڈیوڈ اور اپنے ڈیڈی کو یہ رپورٹ دیجئے گا کہ ڈاکٹر ڈیوڈ کے جانے کے بعد پانچ آدمی آئے تھے اور شاہد کو زبردستی اُٹھا لے گئے تھے۔"

"تو گویا ڈیڈی کو آپ کے بارے میں نہ بتایا جائے۔"

"ابھی نہیں۔ ورنہ کھیل بگڑ جائے گا۔ یہ تو ہم دونوں مل کر انہیں اس دشواری سے نکالیں گے۔ ورنہ اگر بات ریگولر پولیس تک پہنچ گئی تو آپ کے ڈیڈی کو گرفتار کر کے ان پر فردِ جرم عائد کر دی جائے گی۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ، اس رہنمائی پر۔"

"خلقِ خدا کی خدمت، میری زندگی کا نصب العین ہے۔" عمران نے ہاتھ اُٹھا کر درویشانہ انداز میں کہا۔

شہلا چوہدری کی گاڑی تیزی سے شہر کی طرف جا رہی تھی۔ خود ہی ڈرائیو کر رہی تھی۔ عمران، شاہد کو اُٹھا لے گیا تھا اور بے ہوش ٹرک ڈرائیور کو ٹرک پر ڈال دیا گیا

تھا اور اُس نے شہلا کو یہ بھی سمجھا دیا تھا کہ اسے ٹرک ڈرائیور کے سلسلے میں کیا کرنا ہے۔ لہٰذا شہلا، عمران کے چلے جانے کے بعد، ٹرک ڈرائیور کے ہوش میں آنے کا انتظار کرتی رہی تھی اور پھر جیسے ہی ٹرک کے اندر سے ہاتھ پیر چلانے کی آوازیں آئی تھیں۔ وہ ٹرک کے پچھلے حصّے پر چڑھ گئی تھی۔ ٹرک ڈرائیور نے آنکھیں کھول دی تھیں۔

"تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟" شہلا نے ڈپٹ کر پوچھا اور وہ غوں غوں کرنے لگا کیونکہ ہونٹوں پر تو ٹیپ چپکا ہُوا تھا۔

"ارے... اوہ..." شہلا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ پھر اُس نے بندھے ہُوئے ہاتھوں اور پیروں پر بھی نظر ڈالی اور جُھک کر اس کے ہونٹوں سے ٹیپ نکالنے لگی۔

مُنہ کُھلتے ہی ٹرک ڈرائیور زور زور سے کہنے لگا۔ "مَیں ہی یہ ٹرک یہاں لایا تھا کسی نے عقب سے حملہ کرکے اس حال کو پہنچا دیا۔"

"تم جھُوٹے ہو۔" شہلا نے تیز لہجے میں کہا۔ "یہ ٹرک ڈاکٹر ڈیوڈ یہاں کھڑا کر گئے ہیں اُن کے جانے کے بعد پانچ آدمیوں نے کوٹھی پر حملہ کیا اور ڈاکٹر ڈیوڈ کے مریض کو زبردستی اُٹھا لے گئے۔"

"ضرور ایسا ہی ہُوا ہوگا۔"

"تم جھُوٹے ہو۔ جب ٹرک یہاں آیا تھا تو تم اس پر موجود نہیں تھے۔" شہلا نے کہا۔

"مجھ پر حملہ، اُن جھاڑیوں کے اس طرف ہُوا تھا۔ براہِ کرم اب میرے ہاتھ پیر کھول دیجئے۔"

"ناممکن... ہرگز نہیں۔ میں پہلے ڈاکٹر ڈیوڈ کو اطلاع دوں گی۔"

"میں تکلیف میں ہوں، محترمہ۔"

"ہُوا کرو۔ میں کچھ نہیں جانتی۔ اور اب میں یہ ٹیپ دوبارہ تمہارے ہونٹوں پر چپکا دوں گی۔ تاکہ تم میری عدم موجودگی میں شور مچا کر کسی کو اپنی طرف متوجہ نہ کر سکو۔"

"رحم کیجئے، محترمہ! میری حالت اچھی نہیں ہے۔"

"ڈاکٹر ڈیوڈ ہی تمہیں آ کر کھولیں گے۔ میں کچھ بھی نہیں کر سکتی۔"

"اچھا تو ٹیپ ہی دوبارہ نہ چپکائیے۔"

"یہ بھی ممکن نہیں ہے۔" شہلا نے کہا اور جھک کر دوبارہ ٹیپ اس کے ہونٹوں پر چپکانے لگی۔ وہ مچلنے لگا اور شہلا بولی۔ "مجھے طاقت نہ دکھاؤ۔ میں بھی کمزور نہیں ہوں۔ بہتری اسی میں ہوگی کہ ڈاکٹر ڈیوڈ کے آنے تک چُپ چاپ پڑے رہو۔"

وہ خونخوار نظروں سے اُسے گھُورتا رہا اور شہلا کوٹھی کو مقفل کرکے شہر کی طرف روانہ ہوگئی۔

باپ کوٹھی ہی پر موجود تھا۔ شہلا نے بدحواسی کی ایکٹنگ کرتے ہُوئے اُسے عمران کی ہدایت کے مطابق اُس وقوعے کی اطلاع دی۔ شہباز چوہدری ایک لمبا تڑنگا اور صحتمند آدمی تھا لیکن اس اطلاع پر اُس کی حالت ایسی ہی نظر آنے لگی جیسے فوری طور پر اعصاب زدگی کا شکار ہوگیا ہو۔

"بہت بُرا ہُوا... بہت بُرا ہُوا۔" وہ ہانپتا ہُوا بولا۔ "اب کیا ہوگا؟ ڈیوڈ شاید ہی اس پر یقین کرے۔"

"نہ کرے۔ جہنم میں جائے۔" شہلا پیر پٹخ کر بولی۔ "میں جھُوٹ تو نہیں بول رہی۔"

"نن... نہیں... تم جھُوٹی نہیں ہو۔ لیکن ڈیوڈ تو کہتا تھا کہ اس مریض کے بارے میں کوئی کچھ بھی نہیں جانتا۔"

"آپ جانتے ہیں کہ وہ کون تھا؟"

"نہیں ڈیوڈ نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا۔"

"لیکن میں جانتی ہوں۔ ڈاکٹر ڈیوڈ کے آنے سے پہلے ہی وہ ہوش میں آگیا تھا۔ ور مجھے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔"

"کیا بتایا تھا؟"

"وہ محکمۂ سراغرسانی کا ایک آفیسر، انسپکٹر شاہد تھا۔"

"میرے خدا..." شہباز چوہدری توند پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

[illegible]

"کچھ نہیں۔ بس ایک آدمی میری طرف ریوالور تانے کھڑا رہا تھا اور بقیہ چار آدمی اُسے اُٹھائے گئے تھے۔"

"ڈیوڈ ہرگز یقین نہیں کرے گا۔"

"نہ کرے، جہنّم میں جائے۔"

"تم نہیں سمجھتیں، شہلا۔۔۔ تم نہیں سمجھ سکتیں۔" وہ خوفزدہ لہجے میں بولا۔

"کیا نہیں سمجھ سکتی۔ میرے ایک جھاپڑ کا ہے، وہ بُڈّا۔"

"پلیز، شہلا! یہ میری عزّت کا سوال ہے۔"

"خیر، اُسے میری بات کا یقین کرنا ہی پڑے گا۔" شہلا نے طویل سانس لے کر کہا اور اسے ٹرک ڈرائیور کے بارے میں بتاتے ہوئے بولی۔ "میں اس کو اسی طرح جکڑا بندھا چھوڑ آئی ہوں۔"

"یہ تم نے عقلمندی کا کام کیا ہے۔ ٹھہرو! میں ڈیوڈ کو فون کرتا ہوں۔"

شہلا بُرا سا مُنہ بنا کر رہ گئی۔ شہباز کی پُشت اس کی طرف تھی اور وہ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے فون پر نمبر ڈائیل کر رہا تھا۔ رابطہ قائم ہونے پر اس نے خوفزدہ سی آواز میں اس وقوعے کی اطلاع دی اور پھر خاموش رہ کر کچھ سُنتا رہا۔ اس کے بعد ریسیور رکھ کر شہلا کی طرف مُڑا تو چہرے کی حالت ایسی نظر آ رہی تھی، جیسے برسوں سے بیمار ہو۔

شہلا نے خاموشی سے اس تغیّر کو نوٹ کیا۔ کچھ بولی نہیں۔ شہباز کرسی پر بیٹھ کر ہانپنے لگا۔ شہلا کو اب پوری طرح یقین ہو گیا تھا کہ ڈاکٹر ڈیوڈ، اس کے باپ کو بلیک میل کر رہا ہے۔۔۔ لیکن کس سلسلے میں؟۔۔۔ براہِ راست اس سے پُوچھنے کی ہمت نہ پڑی۔ عمران کی ہدایات بھی مدِّ نظر تھیں۔ اس نے کہا تھا کہ اپنے باپ کو ذرّہ برابر بھی شُبہ نہ ہونے دینا۔

شہباز تھوڑی دیر بعد بولا۔ "ڈیوڈ خود آ رہا ہے۔"

"آپ کا یہ دوست ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آ سکا۔"

"دیکھیے، اس وقت میں نے کچھ نہیں کہا تھا، جب وہ آدمی سنگزاد ثابت ہُوا تھا لیکن یہ براہِ راست پولیس کا معاملہ ہے۔"

"کمال ہے۔ اُس نے جو کچھ تم سے کہا، تم نے اس پر یقین کر لیا۔ اگر وہ خود پولیس والا ہوتا یا اُسے اُٹھائے جانے والے پولیس سے متعلق ہوتے تو کیا وہ خاموشی سے رخصت ہو جاتے۔ تم سے پوچھ گچھ نہ کرتے۔ ارے، اب تک تو انہوں نے میری بر کوٹھی کے گرد گھیرا ڈال دیا ہوتا۔"

یہ بات بھی معقول ہی تھی لیکن شہلا کو پھر عمران کا خیال آیا اور وہ سوچنے لگی کہ خاموشی کا مظاہرہ تو مصلحتاً ہُوا تھا، دونوں کے درمیان ایک سمجھوتے کے تحت۔ لیکن بہرحال یہ دلیل بھی ناقابلِ شکست تھی۔ اس لیے شہلا نے صرف یہی پُوچھنے پر اکتفا کی۔ "تو پھر آخر وہ کون تھے؟"

"بدمعاشوں کے علاوہ اور کون ہو سکتے ہیں۔ یہ ڈاکٹر ڈیوڈ کے کسی ہم پیشہ حریف کی حرکت معلوم ہوتی ہے۔ دراصل ڈاکٹر ڈیوڈ کو عنقریب ایک سرکاری اعزاز ملنے والا ہے۔"

"اچھا اگر یہ بات ہے تو سنگزاد والے معاملے کو کیا کہا جائے گا؟"

"بہت بھولی ہو تم بھی۔" شہباز نروس سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "اتنا بھی نہیں سمجھتیں۔ ارے، سنگزاد تو اس کا ایک طبّی کارنامہ ہے، جس کی وہ اس طرح پبلسٹی کر رہا ہے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"اُسے چوٹ نہیں لگتی۔ اگر ایک ایسی فوج تیار کی جائے تو وہ ناقابلِ شکست ہوگی۔"

"لیکن اس کی یادداشت بھی تو غائب ہو گئی ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ ایک بیحد کارآمد آدمی بن گیا ہے۔"

"آدمی یا مشین؟" شہلا نے تلخ لہجے میں کہا۔

"تم ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔"

"لیکن آپ اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہیں؟"

"قدرتی بات ہے، شہلا! میں نے ایک ذمے داری لی تھی جو پوری نہ ہو سکی۔ وہ بدمعاش بالآخر فرلوڈ کے مریض کو اُٹھا لے گئے۔"

تھوڑی دیر بعد ڈیوڈ وہاں پہنچ گیا۔ بڑے سکون سے اس نے پوری رُوداد سُنی تھی اور خاصا [illegible] نظر آنے لگا تھا۔

"شہلا کہتی ہے کہ وہ پولیس کے لوگ تھے۔" شہباز بولا۔

"ارے نہیں۔" ڈیوڈ نے ہنس کر کہا۔ اور پھر شہلا کی طرف دیکھ کر بولا: "اگر وہ پولیس کے لوگ ہوتے تو ٹرک ڈرائیور کو باندھ کر ڈبے میں کیوں ڈال جاتے؟"

"یہی تو میں بھی کہہ رہا تھا۔" شہباز بولا۔

"نہیں بے بی! تمھیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں اس مُلک کے لیے ایک زبردست کارنامہ انجام دینے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ کیا تم نے سنگزاد کو نہیں دیکھا اور کیا تم سمجھتی ہو کہ وہ پیدائشی طور پر ایسا ہے؟"

"نہیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ اُسے آدمی سے مشین بنا دیا گیا ہے۔"

"بالکل، بالکل... اور یہی آدمی کی معراج ہے کہ وہ مشین بن جائے۔ ہر قسم کے دُکھ درد سے آزاد۔"

شہلا بُرا سا مُنہ بنائے ہوئے اس کمرے سے چلی گئی اور ڈیوڈ نے شہباز کو گھورتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ "اپنی بیٹی کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرو۔"

"وہ قابو ہی میں ہے لیکن جن باتوں کو نہیں جانتی، اُن کے بارے میں پوچھنا قدرتی اَمر ہے۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔ اب میں اس آدمی کو چیک کرنے جا رہا ہوں، جس نے ٹرک وہاں پہنچایا تھا۔ کوٹھی کی کُنجی کہاں ہے؟"

"شہلا کے پاس ہے۔ میں ابھی لایا۔"

"ٹھہرو! اس سے یہ بھی کہہ دینا کہ اب اُس کوٹھی کی طرف نہ جائے اور اب کچھ دنوں تک صرف گھر کی چہار دیواری تک محدود رہے تو بہتر ہوگا۔"

"اسے بہلاتے رہو۔" ڈاکٹر ڈیوڈ لاپرواہی سے بولا۔

تھوڑی دیر بعد اُسے کوٹھی کی کُنجی مل گئی اور شہباز نے پوچھا۔ "کیا میں بھی چلوں؟"

"نہیں۔ میں خود دیکھوں گا۔" ڈیوڈ ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

وہ وہاں سے روانہ ہو کر ایک پبلک ٹیلیفون بُوتھ کے قریب رُکا تھا۔ گاڑی سے اُتر کر بُوتھ میں داخل ہوا اور کسی کے نمبر ڈائیل کر کے ماؤتھ پیس میں بولا۔ "میری گاڑی اس وقت پلازہ سینما کے سامنے موجود ہے۔ دس منٹ کے اندر اندر وہاں پہنچو۔ تمھیں مجھ سے دُور رہ کر اس پر نظر رکھنی ہے کہ کوئی میرا تعاقب تو نہیں کر رہا۔"

"اور اگر ایسا ہو رہا ہو تو پھر مجھے کیا کرنا پڑے گا؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"تم پہلے مجھے آگاہ کر دو گے۔ پھر مستقل طور پر اُسے نظر میں رکھ کر اس کے بارے میں معلومات فراہم کرو گے۔"

"او۔ کے، سر!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"بس، روانہ ہو جاؤ۔" کہہ کر ڈاکٹر ڈیوڈ نے رابطہ منقطع کر دیا۔

پھر وہ اپنی گاڑی میں آ بیٹھا۔ ٹھیک دس منٹ بعد اُس نے ڈیش بورڈ کے خانے سے ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر نکالا اور اس کا سوئچ آن کر دیا اور آہستہ آہستہ بولنے لگا۔ "ہیلو، ٹام... کیا تم پہنچ گئے ہو؟"

جواب میں کچھ نہ سن کر اس نے اُسے گود میں ڈال لیا لیکن اس کا سوئچ آف نہیں کیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔ "ہیلو، ڈوک! میں پہنچ گیا ہوں۔ اب کیا حکم ہے؟"

"سابقہ ہدایت کے مطابق عمل... میں روانہ ہو رہا ہوں۔" کہہ کر اُس نے انجن اسٹارٹ کیا۔ ٹرانسمیٹر کو بدستور گود ہی میں پڑا رہنے دیا تھا۔ خاصی تیز رفتاری سے اس کی گاڑی روانہ ہوئی تھی۔

شہباز کے باغات تک بھی پہنچ گیا... لیکن اس کے نگراں نے ٹرانسمیٹر پر ممکنہ تعاقب کی اطلاع نہ دی۔ آخر اُسے خود ہی اپنے نگراں کو مخاطب کرنا پڑا۔

"ہیلو، نام ... تم نے ابھی تک کوئی اطلاع نہیں دی۔

"آپ کا تعاقب کسی نے بھی نہیں کیا، ڈاکٹر ... اور یہاں تو بس ہماری ہی دونوں گاڑیاں ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ تو تم جھاڑیوں کے باہر ہی ٹھہرنا اور میں اپنی گاڑی عمارت تک لے جاؤں گا۔ واپسی کے سفر میں بھی تمہیں دھیان رکھنا ہے۔"

"بہت بہتر۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

ڈاکٹر ڈیوڈ نے ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کر کے اُسے ڈیش بورڈ کے خانے میں ڈال دیا اور اپنی گاڑی عمارت کی طرف لیتا چلا گیا۔ میں ٹرک کے پیچھے روکی تھی۔ شاید انجن کی آواز سُن کر ٹرک ڈرائیور ناک کے ذریعے حلق سے آوازیں نکالنے لگا تھا۔ ڈاکٹر ڈیوڈ چھلانگ مار کر ٹرک پر چڑھ گیا۔

اور پھر جیسے ہی اس نے ڈرائیور کے ہونٹوں سے ٹیپ نکالا وہ چیخنے لگا۔ "مجھ پر بے خبری میں حملہ ہُوا تھا۔"

"کہاں اور کب؟" ڈاکٹر نے بہ آہستگی پوچھا۔

"میں ٹرک لے کر پہنچا۔ آپ کی گاڑی کھڑی دیکھی لیکن اُس کے آگے بھی ٹائروں کے نشانات دیکھ کر مجھے شُبہ ہُوا۔ قریب سے دیکھا تو وہ، آپ کی گاڑی کے ٹائروں کے نشانات سے مختلف تھے اور تازہ معلوم ہوتے تھے۔ میں ان نشانات پر چلتا ہُوا، ایک ٹوسیٹر گاڑی تک پہنچا جو خالی ہی تھی۔ میں اسے دیکھ ہی رہا تھا کہ میری بے خبری میں کئی آدمی مجھ پر ٹوٹ پڑے اور باندھ کر جھاڑیوں میں ڈال دیا اور پھر ایک انجکشن لگایا جس کے بعد کا مجھے ہوش نہیں۔"

"تو پھر اس ٹرک تک کیسے پہنچے؟"

"میں نے عرض کیا نا کہ اس کے بعد کا مجھے ہوش نہیں۔"

"گاڑی کا رجسٹریشن نمبر یاد ہے؟"

"جی ہاں۔ ٹھہریئے! اوہ خدا کے لیے میرے ہاتھ پیر بھی تو کھول لیے۔"

"اوہ۔ ہاں ..." کہہ کر ڈاکٹر جھکا اور اس کے ہاتھ پیر کھولنے لگا۔ پھر بولا۔

"تمھیں ٹرک پر نہ پاکر میں سمجھا تھا کہ تم مزید ہدایات کا انتظار کیے بغیر واپس چلے گئے"

"بھلا یہ کیونکر ممکن تھا، جناب!" ٹرک ڈرائیور بولا۔

وہ دونوں ٹرک سے اُتر کر برآمدے میں آ کھڑے ہوئے اور ٹرک ڈرائیور نے کہا۔ "ان لوگوں میں سے ایک کی شکل میں دیکھ چکا تھا۔ عجیب بے وقوف، بے وقوف سا آدمی لگتا تھا۔"

"اور تم نے ابھی کسی ٹوسیٹر کا بھی ذکر کیا تھا۔" ڈاکٹر ڈیوڈ چونک کر بولا۔

"جی ہاں۔ ٹوسیٹر ہی تھی۔"

"تم شاید اس کے نمبر یاد کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔"

"جی ہاں: وہ مجھے یاد ہیں۔ سب سے پہلے میں نے نمبر ہی ذہن نشین کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"یہ بہت اچھی عادت ہے۔" ڈاکٹر ڈیوڈ جیب سے نوٹ بک اور قلم نکالتا ہُوا بولا۔ پھر اس نے ٹرک ڈرائیور کے بتائے ہوئے نمبر نوٹ کیے تھے اور پُر تشویش انداز میں کچھ سوچ رہا تھا۔

شاہد کو دوسری بار ہوش آیا تو اس کی ٹانگ پر پلاسٹر نہیں تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ کمرہ بھی وہ نہیں تھا جس میں پہلی بار ہوش آیا تھا۔

جلدی سے اُٹھ بیٹھا اور اس ٹانگ کو جلدی جلدی اُوپر سے نیچے تک ٹٹولنے لگا، جس پر پہلے پلاسٹر چڑھا ہُوا تھا۔ دوسرا قدم یہی تو ہو سکتا تھا کہ وہ بستر سے اُتر کر کمرے میں دوڑ لگانے کی کوشش کرتا۔

ٹانگ بالکل ٹھیک تھی۔ نہ کسی جگہ درد تھا اور نہ کہیں کوئی ہلکی سی بھی خراش نظر آئی اپنی طرف سے مطمئن ہو جانے کے بعد اُسے وہ حسین چہرہ یاد آیا تھا۔ جُھرجُھری سی لے کر رہ گیا۔ پھر دروازے کی طرف بڑھا اور اُسے کھولنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ دروازہ باہر سے مقفل تھا۔

تھک ہار کر پھر بستر پر آ بیٹھا اور کمرے کا جائزہ لینے لگا اور جیسے ہی ٹیلیفون پر نظر

پڑی۔ جھپٹ کر اس کے قریب پہنچا اور ریسیور اٹھا کر کیپٹن فیاض کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔ اور پھر دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ہمیں افسوس ہے، جناب! ہم اس نمبر پر آپ کی کال ڈائرکٹ نہیں کر سکیں گے۔"

"کیوں؟" شاہد بھنا کر بولا۔ "یہ کون سا ایکسچینج ہے؟"

"ایکسچینج پوائنٹ بلینک۔"

"یہاں تو اس نام کا کوئی ایکسچینج نہیں ہے... اور ہاں، سنو! میں ایک پولیس آفیسر ہوں اور اپنے چیف سے رابطہ قائم کرنا چاہتا ہوں"

"اگر ایسا ہے تو ہولڈ آن کیجئے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ شاہد ہونٹ سکوڑ کر چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

پھر تھوڑی دیر بعد اُسے جو آواز سنائی دی تھی۔ کچھ جانی پہچانی سی لگی اور وہ بے اختیار چیخ اُٹھا۔ "عمران صاحب!"

"آہستہ، آہستہ۔ ورنہ لائن ڈیڈ ہو جائے گی۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"آپ کہاں سے بول رہے ہیں؟"

"گھر سے۔ لیکن تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ اب کیا حال ہے، تمہارا؟ ٹانگ کی کتنی ہڈیاں ٹوٹی ہیں؟"

"ایک بھی نہیں۔ سب بکواس تھی۔ لل... لیکن آپ کیا جانیں؟"

"وہ تیماردار تو یاد نہیں آ رہی؟"

"اوہ... تو کیا میں وہاں نہیں ہوں؟"

"کیا تم وہاں اسی لیے رکھے گئے تھے کہ اپنی اصل حالت سے باخبر ہو سکو لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم اُن کے ہتھے کیسے چڑھے تھے؟"

"پہلے آپ مجھے یہ بتا دیجئے کہ میں کہاں ہوں؟"

"اُن لوگوں کے قبضے میں بہرحال نہیں ہو۔ ورنہ تمہاری ٹانگ پر اب بھی پلاسٹر چڑھا ہوا ہوتا۔"

شاہد نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور عمران کو بتلانے لگا کہ کس طرح ایک موٹر سائیکل سوار اس کا کالر نوچ کر بھاگا تھا اور وہ اس کے تعاقب کے دوران

میں اس مصیبت میں پڑ گیا تھا۔

"بس اب اس قصے کو یہیں ختم کر دو۔" عمران پوری بات سن کر بولا۔

"مم... میں نہیں سمجھا۔"

"میرا مطلب ہے کہ تمہیں اپنی یہ کہانی بدلنی پڑے گی۔"

"میں اب بھی نہیں..."

"اچھا ٹھہرو! میں وہیں پہنچ کر تمہیں سمجھاؤں گا۔ انتظار کرو۔ میں آ رہا ہوں۔ اس دوران میں اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو مسہری کے تکیے کی پشت سے لگے ہوئے سبز بٹن کو دبا دینا۔ سبز بٹن یاد رکھنا۔"

"بہرحال تو اب میں یہ سمجھوں کہ آپ کی تحویل میں ہوں۔"

"بالکل، بالکل۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور پھر رابطہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔ شاہد نے ریسیور رکھ دیا اور مڑ کر تکیے کی پشت پر نظر ڈالی۔ کئی رنگوں کے بٹن ایک ہی قطار میں موجود تھے۔ طویل سانس لے کر وہ باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

اور جب باتھ روم سے برآمد ہوا تو ایک بار پھر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں کیونکہ عمران کمرے میں موجود تھا۔

"اب تو مجھے یقین کر ہی لینا پڑے گا۔" شاہد جملہ پورا کیے بغیر خاموش ہو گیا۔

"کہ میں بھوت ہوں۔" عمران شرارت آمیز انداز میں مسکرایا۔

"آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

"فی الحال یہ بتانا مشکل ہے۔ ویسے وہ لوگ نہیں چاہتے تھے کہ تمہاری ملاقات کرنل فیضی سے ہو سکے اور شاید دوسرا مقصد یہ تھا کہ ایک اور سنگزاد پیدا ہو جائے۔"

"مم... میں نہیں سمجھا۔"

"وہ تم پر کسی قسم کا تجربہ بھی کرنا چاہتے تھے۔"

"چیتھڑے اُڑا دوں گا۔" شاہد غصیلے لہجے میں بولا۔ "مجھے علم ہو چکا ہے کہ وہ لوگ کون ہیں؟"

"شاید تمہارا اشارہ شہباز چوہدری کی طرف ہے۔"

"جی ہاں۔"

"وہ لوگ صرف تمہاری دیکھ بھال کر رہے تھے۔ اس حرکت کے ذمّے دار نہیں تھے۔ اُنہیں یہی بتایا گیا تھا کہ تمہاری ٹانگ ٹوٹ گئی ہے۔"

"آخر اس ڈھونگ کی کیا ضرورت تھی؟"

"تاکہ تم چپ چاپ پڑے رہو۔ فرار ہونے کی کوشش نہ کرو۔"

"تو پھر شہباز چوہدری وغیرہ اس کے لیے جوابدہ بھی نہیں ہو سکتے۔"

"میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم فی الحال اصل واقعات کا اظہار کسی پر بھی نہ کرو۔"

"کپتان صاحب کو کیا جواب دوں گا۔"

"میں نے کہا نا کہ کہانی بدل دو۔ وہی کہانی ہر ایک کو سُنا سکو گے۔"

"کہانی کیسے بدل دوں؟ میری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آیا۔"

"تو پھر میری سمجھ سے کام لو۔"

"بتائیے وہ۔ کیا کہنا ہے؟"

"تم کبھی کبھی خوانچہ فروشوں سے پوٹیٹو چپس کی تھیلیاں خریدا کرتے ہو۔"

"آپ کیا جانیں؟"

"شہر کے سارے ندیدے بچوں سے واقف ہوں۔ بسا اوقات سرِراہ پوٹیٹو چپس کھاتے ہوئے پائے گئے ہو۔"

"بچپن کی بعض عادتیں زندگی بھر چمٹی رہتی ہیں۔" شاہد کھسیانا ہو کر بولا۔

"پرواہ نہ کرو۔ ہاں تو تم نے سڑک کے کنارے کسی چلتے پھرتے خوانچہ فروش سے ایک تھیلی خریدی اور دو چار چپس ہی کھائے ہوں گے کہ تم پر غشی طاری ہو گئی۔ دوبارہ ہوش آیا تو کسی کے قیدی تھے لیکن تم اُن لوگوں میں سے کسی بھی نشاندہی نہیں کر سکو گے، جن سے قید کے دوران میں تمہارا سابقہ پڑتا رہا تھا... مطلب سمجھ رہے ہو نا میرا۔ یعنی ایک نقاب پوش قید کے دوران میں تمہاری ضروریات پوری کرتا رہا تھا اور پھر اچانک آج تمہیں آزاد کر دیا گیا۔"

"اس صورت میں مجھے اس جگہ کی نشاندہی تو کرنی ہی پڑے گی۔ جہاں میں قید تھا۔"

"اس کا انتظام بھی ہو گیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد تمہیں وہ جگہ دکھا دی جائے گی۔"

"اس طرح تو کوئی بے گناہ پھنس جائے گا۔"

"وہ فی الحال ایک ایسی جگہ ہے، جس کا کوئی بھی دعویدار نہیں ہے۔ جو چاہے اس جگہ کو استعمال کر سکتا ہے۔"

"اب مجھے اس جگہ کے بارے میں بتلائیے، جہاں اس وقت موجود ہوں۔"

"اس کی نشاندہی تم زندگی بھر نہ کر سکو گے۔"

"کیوں نہ کر سکوں گا؟ آخر آپ مجھے یہاں سے نکالیں گے تو۔"

"تم پر اتنی بے ہوشیاں پہلے بھی طاری ہو چکی ہیں۔ ایک اور سہی۔"

"خدا کی پناہ! اب آپ بھی بے ہوش کریں گے۔"

"اسی میں تمہارے سُسرال کی بھلائی ہے۔"

"میری شادی ہی نہیں ہوئی۔ سُسرال کہاں سے آ ٹپکی؟"

"تم شاید ہیروئینوں کے ایثار اور قربانی والی فلمیں نہیں دیکھتے۔"

"میں سِرے سے دیکھتا ہی نہیں ہوں۔"

"جبھی تو ایسی بے وقوفی کی باتیں کر رہے ہو۔"

"خدارا جلدی سے مجھے عقلمند بنا دیجئے۔ اب اُلجھن ہونے لگی ہے۔"

"شہلا چوہدری جب یہ دیکھے گی کہ تم نے اپنی کہانی میں اس کا یا اس کے باپ کا نام نہیں لیا تو وہ تم سے محبت کرنے لگے گی... اور اگر اس کے کسی کزن سے تمہاری مار پیٹ نہ ہو گئی تو ظالم سماج کے اعتراضات کے باوجود بھی تمہاری شادی شہلا چوہدری سے ہو جائے گی۔ پس ثابت ہوا کہ تمہاری سُسرال کی بہتری اسی میں ہے کہ تم اپنی کہانی بدل دو۔ کیپٹن فیاض کے سُسر سے ملے ہو۔"

"خدا کی پناہ! ایسا کوئی بُوڑھا آج تک میری نظر سے نہیں گزرا۔"

"کیا مطلب؟"

"اب بھی خود کو بیس بائیس برس کا لڑکا سمجھتا ہے۔"

"اور فیاض تو ابھی پیدا ہی نہیں ہوا۔" عمران سر ہلا کر بولا۔

"اچھا تو پھر مجھے ناشتے سے پہلے بیہوش ہونا ہے یا ناشتے کے بعد؟"

"ناشتے کے لیے زرد رنگ کا بٹن دباؤ۔ دس منٹ کے اندر اندر ہی ناشتے کی

ٹرالی آجائے گی۔"

"کہاں لاکر بند کیا ہے، مجھے؟"

"چلو، دباؤ، بٹن!"

شاہد نے فوراً ہی اس مشورے پر عمل کیا تھا... پھر دس منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ دروازہ کھلا اور ایک نقاب پوش ناشتے کی ٹرالی دھکیلتا ہوا اندر داخل ہوا۔

"نن... نقاب پوش بھی۔" شاہد آہستہ سے بڑبڑایا۔

"تمہاری کہانی میں تھوڑی سی حقیقت بھی شامل ہو جائے تو کیا ہرج ہے۔"

شاہد کچھ نہ بولا۔ ٹرالی پر پوٹیٹو چپس کی پلیٹ بھی نظر آئی اور وہ غیر شعوری طور پر منہ چلانے لگا۔ عمران کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

ناشتے کے بعد اچانک شاہد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "مم... مجھ پر... پھر بب... بیہوشی..."

جملہ پورا کیے بغیر وہ بستر پر ڈھیر ہو گیا تھا۔

پتا نہیں کتنی دیر تک بے ہوش رہا تھا۔ آنکھ کھلی تو اس بار خود کو ننگے فرش پر پڑا پایا اور آس پاس کوڑے کرکٹ کی ڈھیریاں نظر آئیں۔ بوکھلا کر اُٹھ بیٹھا۔ اس بار ذہنی کسلمندی کا احساس نہیں ہوا تھا۔ بس ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے اچھی بھلی نیند کا سلسلہ اچانک ٹوٹ گیا ہو۔

شکستہ حال کمرہ تھا، جس کا دروازہ کھلا ہی ہوا تھا۔ جس کے سامنے اس کی موٹر سائیکل بھی موجود تھی۔ جلدی سے باہر نکلا اور گرد و پیش میں نظر دوڑاتے ہی سمجھ گیا کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔

نیشنل ہائی وے کے ساتویں میل پر یہ ویران فارم واقع تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ کس کی ملکیت ہے۔ اپنے کپڑوں سے گرد جھاڑتا ہوا اُٹھا اور موٹر سائیکل کی طرف بڑھا اور اسی وقت اسے شہلا چودھری کا مہربان مہربان سا چہرہ یاد آیا۔ آخر یہ سب کیا تھا؟ اسی اُلجھن کے عالم میں اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔

ڈاکٹر فوریل قہر آلود نظروں سے ڈیوڈ کو گھورے جا رہی تھی اور ڈیوڈ دم بخود تھا۔ ڈاکٹر فوریل کے مقابل وہ ایسا ہی نظر آتا تھا جیسے کسی پہاڑ کے دامن میں کوئی بجر زدہ بکری اُداس اور تنہا کھڑی ہو۔ ڈاکٹر فوریل ایک لحیم شحیم عورت تھی۔ جُثّے کی مناسبت سے آواز میں بھی گھن گرج کی سی کیفیت پائی جاتی تھی اور آنکھیں توانائی کا خزانہ معلوم ہوتی تھیں۔

"تم احمق ہو۔" دفعتہً وہ، ڈیوڈ کی طرف ہاتھ اُٹھا کر دھاڑی اور ڈیوڈ صرف پہلو بدل کر رہ گیا۔ ڈاکٹر فوریل کہہ رہی تھی۔ "ہر کام کا ذمہ لے کر خود ہی اسے نپٹانے کی کوشش کرتے ہو اور بالآخر وہ بگڑ جاتا ہے۔"

"مم... میں... پھر کہتا ہوں، ڈاکٹر!" وہ مُردہ سی آواز میں بولا۔ "انسپکٹر شاہد کو اُٹھا لے جانے والے پولیس سے متعلق نہیں معلوم ہوتے۔"

"کس بنا پر کہہ رہے ہو؟"

"اگر وہ پولیس والے ہوتے تو اب تک شہباز چودھری کا گھرانا دُشواری میں پڑ چکا ہوتا۔"

"اگر مصلحتاً انہوں نے خاموشی اختیار کی ہو تو...؟"

"ارے نہیں..." ڈیوڈ زبردستی ہنس کر بولا۔ "ہماری پولیس اتنی چالاک نہیں ہے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"پھر وہی بے وقوفی کی باتیں۔" ڈاکٹر فوریل آنکھیں نکال کر بولی۔ "ہم نے یہ سب کچھ اس لیے کیا تھا کہ وہ سنگزاد کی طرف نہ صرف متوجہ ہو جائیں بلکہ اُسے پہچان بھی لیں۔ تمہاری حماقت کی وجہ سے انہیں اس کا احساس بھی ہو گیا کہ کسی اور نے ان کی توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی ہے۔ تو کیا پھر انہیں اس نامعلوم پارٹی کی تلاش نہ ہوگی۔"

"[illegible]... ممکن ہے۔" ڈیوڈ جلدی سے بولا۔ "لیکن ایسا ہُوا نہیں ہے۔"

"خواب مت دیکھو۔" وہ میز پر ہاتھ مار کر دھاڑی۔

"میں خواب نہیں دیکھتا۔ کیونکہ معاملے کی تہہ کو پہنچ گیا ہوں۔"

"وہ بھی کوئی خواب ہی ہوگا۔" ڈاکٹر فوریل بے زاری سے بولی۔

"نہیں، ڈاکٹر... یہاں ایک بلیک میلر ایسا بھی ہے جو اپنا مطالبہ پورا نہ ہونے پر پولیس انفارمر بن جاتا ہے۔ میں تحقیقات کر چکا ہوں، اس کے بارے میں۔ وہ ٹوسیٹر گاڑی، جس کا تذکرہ ٹرک ڈرائیور نے کیا تھا، اسی بلیک میلر کی ثابت ہوئی ہے۔"

"کون ہے؟"

"علی عمران نام ہے۔ سی آئی بی کے ڈائریکٹر جنرل کا لڑکا ہے۔ اس کی بے راہ روی کی بنا پر ڈائریکٹر جنرل نے اُسے گھر سے نکال دیا ہے۔ وہ لوگوں کی ٹوہ میں رہتا ہے۔ اُن کی کمزوریاں معلوم کر کے اُنہیں بلیک میل کرتا ہے۔ اگر وہ بلیک میل ہونے سے انکار کر دیتے ہیں تو پولیس کو مطلع کر دیتا ہے۔"

"کیا اس نے اپنا کوئی مطالبہ پیش کیا ہے؟"

"ابھی نہیں... لیکن مجھے یقین ہے کہ جلد ہی پیش کر دے گا۔"

"لیکن کیا وہ آفیسر خاموش رہے گا جسے تم نے روک رکھا تھا؟"

"اس کے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا... لیکن، ٹھہرو!" وہ ہاتھ اُٹھا کر کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "وہ بے ہوش رہا ہوگا، اس وقت، جب اسے اُس عمارت سے ہٹایا گیا ہوگا۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"اس آفیسر کو اس کا علم نہیں تھا کہ وہ کہاں اور کن لوگوں کی تحویل میں ہے۔ لہٰذا ہوش میں آنے کے بعد، اس عمارت کی نشاندہی نہیں کر سکتا۔ اگر اُسے اپنے بارے میں کچھ بھی اندازہ ہو سکا ہوتا تو اب تک پورے علاقے میں تہلکہ مچ جاتا۔"

"کچھ بھی ہو۔ تمہارے دلائل مجھے مطمئن نہیں کر رہے۔ تم نے اس آفیسر کو اُٹھانے کا فیصلہ خود ہی کیا تھا۔ تمہیں اس کی ہدایت نہیں دی گئی تھی۔"

"یہ میں نے اس لیے کیا تھا کہ آئی ایس آئی والے سنگزاد کو جلد از جلد اپنی تحویل میں لے لیں۔"

"لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔"

"اسی پر تو مجھے حیرت ہے۔" ڈیوڈ نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ صرف اس کی نگرانی کر رہے ہیں۔"

"دیکھا جائے گا۔"

"بیوقوفی کی باتیں نہ کرو۔ میں بھی کسی کو جوابدہ ہوں۔"

ڈیوڈ کچھ نہ بولا اور وہ اُسے گھورتی رہی پھر بولی۔ "اصل کام تم نہ کر سکے۔"

"آج شاید ہی ہو سکے کیونکہ وہ اپنے ماتحت کے معاملے میں اُلجھ گیا ہوگا۔"

"کیا مطلب؟"

"کیپٹن فیاض کا ماتحت تھا، وہ آفیسر، جسے میں نے اُٹھوایا تھا۔"

"خدا کی پناہ!" وہ پیر پٹخ کر بولی۔ "کہیں تمہارا دماغ تو نہیں اُلٹ گیا۔"

"لاعلمی، دیوانگی نہیں کہلاتی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کیپٹن فیاض ہی کا اسسٹنٹ ہے۔ یہ تو بعد میں معلوم ہوا تھا۔"

"دیکھو..." وہ اُنگلی اُٹھا کر بولی۔ "اگر کھیل بگڑ گیا تو ہم سب فنا ہو جائیں گے۔"

"کھیل نہیں بگڑے گا، ڈاکٹر! تم مطمئن رہو اور بے فکر رہو۔ کیپٹن فیاض کی بیوی تمہارے کلینک میں ضرور داخل ہوگی۔ فی الحال میں، عمران کو نپٹاؤں گا۔"

"پھر وارننگ دے رہی ہوں کہ احتیاط سے۔"

"ارے سب ٹھیک ہے۔ اگر کوئی غلطی ہوئی بھی ہے تو میں اُسے سنبھال بھی سکتا ہوں۔" ڈیوڈ نے لاپرواہی سے کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تمہاری اس غلطی کی اطلاع چیف کو دوں یا نہ دوں..."

"کیا ضرورت ہے؟" ڈیوڈ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "وہ ایسے کارکنوں کو فیلڈ میں دیکھنا پسند نہیں کرتا جو کسی جگہ کی پولیس کی نظر میں آجائیں۔"

"بس تو پھر اُسے اطلاع نہ دو ورنہ میرے ہی توسط سے تمہاری زندگی بھی خطرے

میں پڑ جائے گی۔"

"اور اگر اُسے اپنے طور پر اس کا علم ہو گیا تو...؟" ڈاکٹر فوریل آنکھیں نکال کر بولی۔

"میں اس کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔" ڈیوڈ نے بیزاری سے کہا۔

"اس صورت میں ہمارا انجام عبرتناک ہو گا۔"

"اپنے طور پر اسے کیونکر علم ہو سکتا ہے۔ جب کہ ہم خود ہی اُس کی معلومات کا ذریعہ ہیں۔"

"اس وہم میں نہ رہنا۔ کچھ ایسے بھی ہوں گے، جو ہماری نگرانی کر رہے ہونگے۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہُوا کہ چیف کو اپنے کارکنوں پر اعتماد نہیں ہے۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ دفعتًہ بہت زیادہ فکر مند نظر آنے لگی تھی۔

ڈیوڈ نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ بات ابھی اس بلیک میلر سے آگے نہ بڑھی ہو گی۔ اگر وہ قابو میں آجائے تو سمجھو کہ اس غلطی کا ازالہ ہو گیا۔"

"اچھا اب جاؤ اور مجھے سوچنے دو۔" ڈاکٹر فوریل ہاتھ اُٹھا کر بولی۔

ڈیوڈ اس کمرے سے نکل آیا۔ یہ ایک بہت بڑی عمارت تھی۔ اسی کے ایک حصے میں ڈاکٹر فوریل کا کلینک بھی تھا، جہاں وہ لاولد عورتوں کا علاج کیا کرتی تھی۔

عمران کے اس فون کی گھنٹی بجی جو اُسی کے نام پر رجسٹر تھا۔ صفدر کی کال تھی۔

"ہیلو! کیا خبر ہے؟" اس نے ریسیور اُٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

"رجسٹریشن آفس سے کسی نے آپ کی ٹوسیٹر کے بارے میں معلومات حاصل کی ہیں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"کس نے...؟"

"یہ نہیں معلوم ہو سکا۔"

"ظاہر ہے کہ کسی نے کی ہوں گی۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ سے ایسی غلطی کیونکر سرزد ہُوئی۔ ٹرک ڈرائیور کو وہیں نہ چھوڑ آنا چاہیے تھا۔"

"وہ غلطی نہیں تھی۔ دیدہ و دانستہ اُسے وہاں چھوڑا تھا۔ میں تمھیں شہلا چوہدری کے بارے میں بتا چکا ہوں۔"

"بہرحال، مجھے یقین ہے کہ اب آپ بھی اُن کی نظر میں آ گئے ہیں۔"

"دیکھا جائے گا۔" عمران نے کہا۔ "مجھے یہ بھی تو دیکھنا ہے کہ شہباز چوہدری ان معاملات میں کس حد تک ملوث ہے۔"

"اب میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"بدستور ڈاکٹر ڈیوڈ پر نظر رکھو... اور ہاں شاہد کی کیا خبر ہے؟"

"آئی ایس آئی والوں کے نرغے میں ہے۔"

"خیر، تم ڈیوڈ کی نگرانی جاری رکھو۔" عمران نے کہا اور ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ وہ میز کے پاس سے ہٹا بھی نہیں تھا کہ گھنٹی پھر بجی۔ ریسیور اُٹھا لیا۔ اس بار آواز پہچاننے میں اُسے دشواری ہُوئی تھی۔

"کیا بھول گئے، میں شبلی بول رہا ہوں۔"

"اوہ!" عمران بائیں ہاتھ سے سر سہلاتا ہُوا بولا۔ "فرمائیے؟"

"تم تو اس طرح غائب ہوئے جیسے..."

"جی ہاں، جیسے...؟"

"تشبیہہ برداشت نہ کر سکو گے۔"

"جی ہاں، سینگ نہیں ہیں میرے۔ اب فرمائیے؟"

"تفریح کی کیا رہی؟"

"تت... تفریح..." عمران نے دیدے نچائے۔

"ہاں، سُنا ہے، ریالٹو میں آج کل بڑے غضب کا فلور شو ہو رہا ہے۔"

خواہ مخواہ عمران کے دانت نکل پڑے اور اس نے بائیں آنکھ بھی دبائی اور آہستہ

"تو کیا ہوا؟... ارے میاں رقص دیکھیں گے کوئی رقاصہ کی گود میں تو بیٹھنا نہیں ہے۔"

"بالکل... بالکل..." عمران سر ہلا کر بولا۔ "تو پھر کب حاضر ہو جاؤں؟"

"آ سکتے ہو تو ابھی آ جاؤ۔ بہت بور ہو رہا ہوں۔"

"بس آیا۔" عمران نے کہا اور دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہونے کی آواز سن کر خود بھی ریسیور رکھتا ہوا بڑبڑایا۔ "ارے واہ، بڑے میاں۔"

تھوڑی دیر تک کچھ سوچتے رہنے کے بعد ملبوسات کی ایک الماری کھول کر روانگی کی تیاریاں کرنے لگا... اور پھر جب فلیٹ سے نکل رہا تھا تو گلرخ کی نظر اس پر پڑ گئی اور اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا کیونکہ عمران سر سے پیر تک عرب معلوم ہو رہا تھا۔ ٹخنوں تک لمبے کرتے اور سر پر عقال و مندیل سے آراستہ ہو کر فیاض کے سسر شبلی صاحب کے پاس جا رہا تھا۔

"کیا کسی یتیم خانے کا افتتاح کرنے جا رہے ہیں، صاحب؟" اس نے بدقت ہنسی پر قابو پا کر پوچھا۔

"نہیں، ایک دوست کی بیوی کو یتیم کرنے جا رہا ہوں۔ چل اپنا کام کر۔"

باہر نکلا تو پڑوسیوں کی مسکراہٹوں سے بھی دوچار ہونا پڑا لیکن وہ نکلا چلا گیا۔ ایک ٹیکسی رکوائی اور ٹیکسی سے اس جگہ پہنچا جہاں گیراج میں اس کے محکمے کی کئی گاڑیاں کھڑی رہتی تھیں۔ سیاہ رنگ کی ایک مرسیڈیز نکالی اور فیاض کے بنگلے کی طرف روانہ ہو گیا۔

فیاض موجود نہیں تھا۔ اس کی بیوی سے برآمدے ہی میں ملاقات ہو گئی... پہلے تو شاید وہ اسے پہچان ہی نہیں سکی تھی پھر پہچان کر بے ساختہ ہنس پڑی اور عمران نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے! سوٹ بوٹ والوں پر ہنسی نہیں آتی۔ وہ کب اپنا لباس ہے؟"

"سوال تو ہے کہ غریب خانے کو اس لباس میں کیوں نوازا گیا ہے؟"

"اور نہیں تو کیا جہنم خانے کو نوازوں گا؟"

"آپ کے والد صاحب سے ملنے آیا ہوں۔"

"کیا مطلب...؟"

"ہم دونوں کو کہیں جانا ہے۔"

"ہرگز نہیں۔ ان پر تو کرم ہی فرمائیے۔"

"آواز دوں کہ آپ کی صاحبزادی ہمارے درمیان حائل ہو رہی ہیں۔"

"آخر بات کیا ہے؟" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"میں کیوں بتاؤں بات؟ انہیں مطلع کر دیجئے کہ خادم حاضر ہے۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔"

"گھٹ گھٹ کر مر جائیں گے۔ اگر آپ نے ایسی کوئی پابندی لگائی۔"

وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ شبلی صاحب خود ہی وارد ہو گئے۔ پہلے تو عمران کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا پھر بولے۔ "اَمے یہ کیا ہے؟"

"کہاں کیا ہے؟" عمران بونقوں کی طرح چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"میں نے کہا۔ یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے۔"

"دیکھئے، جناب! میں اس معاملے میں بہت سنٹی منٹل ہوں۔ میں نے تو آپ سے ایسا کوئی سوال نہیں کیا۔"

"مجھ سے کیا سوال کرو گے؟"

"یہی کہ آپ نے خواتین کے غرارے کے کپڑے کی بشرٹ کیوں پہن رکھی ہے۔"

فیاض کی بیوی وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ اچھی طرح جانتی تھی کہ عمران کتنا منہ پھٹ واقع ہوا ہے۔ پتا نہیں یہ گفتگو کس حد تک جاتی۔ لہٰذا اس نے مناسب یہی سمجھا ہو گا کہ وہاں سے چلی ہی جائے۔

عمران نے شبلی کی طرف دیکھ کر بائیں آنکھ دبائی اور مسکرایا بھی -!

"گاڑی لائے ہو-!" شبلی نے پوچھا۔

"مرسڈیز... اس لباس کے شایان شان!"

"آخر اس کی کیا ضرورت تھی۔"

"آپ سمجھے نہیں!" عمران گاڑی کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "خیر ابھی سمجھا دوں گا!"

اور پھر جب مرسڈیز بنگلے کے کمپاؤنڈ سے نکل رہی تھی، اس نے کہا۔ "رقاصائیں مجھے کوئی عرب شیخ سمجھ کر ہماری ہی میز کے آس پاس منڈلاتی رہیں گی۔ ! نہیں سمجھے۔!"

"ابے بہت گھبرے ہو تم!" شبلی نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "لوگ یونہی خواہ مخواہ تمہیں بیوقوف سمجھتے ہیں!"

"کون سمجھتا ہے؟" عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "ذرا نام تو بتائیے اُسے بھی دیکھ لوں گا"

"جھک مارتے ہیں تم دل چھوٹا نہ کرو!"

"جی بہت اچھا...!" عمران نے سعادت مندانہ انداز میں کہا۔

"اور ہاں تم اس تفریح کا ذکر فیاض سے نہیں کرو گے۔!"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا!"

"بڑھاپا بھی طاق پر رکھ دینے کے لیے نہیں ہوتا۔!"

"بڑھاپا وغیرہ بھی صرف بیوقوفی کی باتیں ہیں!" عمران نے کہا۔

"زندگی صرف زندگی ہے۔ اُسے پر ادوار کی چھاپ نہیں لگنی چاہیئے"

"مگر دشواری تو یہ ہے کہ ہمیں پیدا ہونا پڑتا ہے!" عمران نے کہا۔ "بس پیدا ہوئے نہیں کہ ادوار میں تقسیم ہونے لگے۔ کوئی ایسی تدبیر کی جائے کہ پٹ سے ٹپک پڑیں۔ کہیں سے پلائے۔!"

"اب اسی ایک نکتے کو رگیدتے چلے جاؤ گے!" شبلی نے جھنجھلا کر کہا۔

"پھر جیسا آپ فرمائیں!"

"حسن کی رنگینیوں کی باتیں کرو، مہ جبینوں کو یاد کرو جن سے کبھی سابقہ رہا ہو۔!"

"ارے ہاں! وہ تھی ایک... لیکن کچھ عجیب سی لگتی تھی!"

"کون تھی؟" شبلی نے لہک کر پوچھا۔

"مہ جبین ہی نام تھا! مجھے دیکھ کر رسی تڑانے لگتی تھی۔!"

"رسی تڑانے لگتی تھی۔!" شبلی نے حیرت سے پوچھا۔

"بڑے خوفناک سینگوں والی تھی!"

"کیا بک رہے ہو..."

"خالہ جان کی بکری تھی جسے وہ پیار سے مہ جبین کہتی تھیں!"

"اے تم واقعی گھامڑ لگتے ہو۔ اچھا پہلے موڈل ٹاؤن کی طرف چلو۔ وہ ٹھیک کہتا تھا۔ تھوڑی ہی سی دیر میں اس نے تمہارے بارے میں اندازہ لگا لیا تھا!"

"کس کا ذکر ہے؟"

"ڈاکٹر ڈیوڈ کا۔ کہہ رہا تھا کہ تم کسی نفسیاتی مرض میں مبتلا ہو۔ اگر یہ سقم دُور ہو جائے تو شاندار پرسنالٹی نکل آئے گی!"

"لیکن یہ سقم دُور کیسے ہو!" عمران نے دردناک لہجے میں پوچھا۔

"بہت آسانی سے دُور ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر ڈیوڈ نفسیاتی امراض کا ماہر ہے اور وہ تمہارے لیے وقت نکالنے پر آمادہ بھی ہے!"

"واقعی!" عمران نے بے حد خوش ہو کر پوچھا۔

"ہاں بھئی۔ وہ میرا گہرا دوست ہے!"

"تب تو میری شادی بھی ہو سکے گی!" اس نے بچکانہ مسرت کا اظہار کیا۔

"بس تو پہلے اُدھر ہی نکل چلو۔ بعد میں اُسے بھی اپنی تفریح میں شریک کر لیں گے۔ خاصا زندہ دل آدمی ہے!"

"ضرور... ضرور... اگلے چوراہے سے گاڑی موڑ لوں گا!"

"تو تمہیں کبھی کسی لڑکی نے لفٹ نہیں دی!"

"نہیں جناب۔! بس میرا مضحکہ اُڑاتی رہتی ہیں!"

"حالانکہ تم خاصے دلکش ہو۔! اگر میں جوانی میں ایسا ہوتا تو سارے شہر کی لڑکیاں میرے پیچھے دوڑ پڑتیں!"

"پھر آپ کا کیا حشر ہوتا!" عمران نے بڑی معصومیت سے پوچھا اور شبلی خاموشی سے اُسے گھورنے لگا۔

کچھ دیر بعد عمران نے کہا۔ "میرے پیچھے بھی دوڑتی لڑکیاں لیکن ننگے پاؤں!"

"ننگے پاؤں کیوں؟"

"چپلیں ہاتھوں میں ہوتی ہیں!"

"مٹی پلید کر رہے ہو اپنی۔"

"محبت شروع کرتا ہوں۔ لیکن اچانک کوئی نہ کوئی بیوقوفی سرزد ہو جاتی ہے۔ مثلاً پچھلے سال ایک لڑکی سے ملاقات ہوئی۔ دوسرے ہی دن سے محبت کرنے لگی۔ تیسرے دن اپنی ممی سے ملوایا اور چوتھے دن میں اُس کی ماں کو پکچر دکھلانے لے گیا!"

"اُس کی ممی کو کیوں۔؟"

"وہ مجھے اس سے بھی زیادہ اچھی لگی تھیں۔ بات بات پر بیٹا بیٹا کہتی رہتی تھیں۔ لیکن انہیں شکایت تھی کہ کبھی کوئی انہیں پکچر دکھانے نہیں لے جاتا۔ لہٰذا میں روزانہ پابندی سے صرف اُنہیں پکچر دکھلانے لے جانے لگا۔ اور پھر اس لڑکی نے پندرہ بیس دن بعد مجھے بے تحاشہ گالیاں دیں اور گھر سے نکال دیا!"

آخری جملے پر عمران کا لہجہ بے حد دردناک ہو گیا اور شبلی نے اُس کا شانہ تھپک کر کہا۔ "بالکل پرواہ نہ کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

گاڑی اب موڈل ٹاؤن کی طرف جا رہی تھی۔

"ڈاکٹر ڈیوڈ کو آپ کب سے جانتے ہیں؟" عمران نے پوچھا۔

"تقریباً بیس بائیس سال سے۔"

"کیا ہمیشہ سے یہیں رہا ہے؟"

"نہیں... امریکہ میں تھا۔ ابھی حال ہی میں واپس آیا ہے۔"

"اور یہ ڈاکٹر مورل؟"

"اس کے بارے میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا کہ ڈیوڈ کی دوست ہے!"

"کیا ڈیوڈ بھی آپ ہی کی طرح زندہ دل اور رنگین مزاج ہے؟"

"نہ ہوتا تو اُسے بھی ساتھ لینے کی تجویز کیوں پیش کرتا۔ اُس سے تفصیلی ملاقات تمہیں خوش کر دے گی۔"

"کیپٹن فیاض سے بھی اس کی ملاقات ہو چکی ہے۔"

"ہوئی تھی یونہی سرسری سی ایک بار۔ فیاض یار ہوائی قسم کے آدمی ہیں۔ پتا نہیں تم جیسے زندہ دل آدمی سے کیسے چھنتی ہے۔"

"تو اس آپریشن کا انتظام آپ ہی کے ذمے ہے؟"

"اور کیا...؟"

"بڑی اچھی بات ہو گی۔ اگر ایسا ہو جائے!"

موڈل ٹاؤن میں پہنچ کر شبلی کی رہنمائی میں اُس کوٹھی تک رسائی ہوئی جہاں ڈاکٹر مورل اور ڈیوڈ کا قیام تھا! ایک جگہ عمران کو صفدر کی گاڑی بھی کھڑی ہوئی دکھائی دی جس کا مطلب یہ تھا کہ ڈیوڈ اس وقت کوٹھی ہی میں موجود ہے۔ عمران نے گھڑی دیکھی۔ رات کے ساڑھے آٹھ بجے تھے! وسط نومبر کا زمانہ تھا! کسی قدر خنکی بڑھ گئی تھی۔

گاڑی پھاٹک پر پہنچی تو چوکیدار نے ذیلی کھڑکی سے سر نکال کر پوچھا۔ "کون ہے!"

"کیا ڈیوڈ صاحب موجود ہیں؟" شبلی نے پوچھا۔

"موجود ہے ساب۔!"

"پھاٹک کھول دو۔ میں شبلی ہوں!"

"اچھا۔ اچھا شبلی ساب۔!" کہہ کر چوکیدار پھاٹک کھولنے لگا۔

گاڑی روش سے گذرتی ہوئی پورچ تک آئی۔ پھاٹک سے یہاں تک خاصا فاصلہ تھا۔ پورچ میں تیز روشنی تھی۔

"چلو اترو۔ کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔ رہائشی حصے میں صرف وہی دونوں ہوتے ہیں لہٰذا کسی ایسے ملازم کا انتظار نہیں کرنا پڑے گا جو ہمارے کارڈ اُن تک پہنچائے۔ ڈاکٹر مورل کو دیکھنا۔ ایسی جسیم شمیم عورت شائد ہی کبھی نظر سے گذری ہو؟"

عمران گاڑی سے اُتر کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ فضا پر عجیب سا سناٹا طاری تھا اس نے سر کو جنبش دے کر شبلی کی طرف دیکھا۔

"کیا سوچنے لگے؟"

"کچھ بھی نہیں۔"

"تو چلو۔!" شبلی نے برآمدے کی طرف اشارہ کیا۔

وہ برآمدے میں پہنچے اور شبلی نے کال بل کا بٹن دباتے ہوئے کہا۔ "اب ڈیوڈ۔ یا مورل ہی آکر دروازہ کھولیں گے۔"

عمران کی پیشانی پر شکنیں تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اس طرح یہاں آکر اُس نے غلطی تو نہیں کی۔ باتوں کی رو میں شائد یہ بھی بھول گیا تھا کہ ڈیوڈ اس کی کارگزاری سے

واقف ہو چکا ہے اور یہ اسی ٹرک ڈرائیور کے توسط سے ہوا ہوگا جس کے ذہن میں اس کی ٹو سیٹر کے نمبر محفوظ رہ گئے ہوں گے۔!

"کیا بات ہے!" شبلی نے پھر کال بل کا بٹن دباتے ہوئے کہا "ابھی تک کوئی بھی نہیں آیا!"

عمران کچھ نہ بولا۔ اس کی نظر دروازے کے ہینڈل پر تھی۔! دفعتاً اس نے شبلی سے پوچھا "کیا آپ نے اُسے پہلے سے آگاہ کر دیا تھا کہ آپ آ رہے ہیں۔"

"نہیں لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ اس وقت یہیں ملے گا۔ زیادہ تر اپنے کام سے کام رکھتا ہے! اور پھر چوکیدار نے بھی بتایا ہے کہ وہ دونوں اندر ہی موجود ہیں۔"

"اچھا اگر اندر سے کوئی جواب نہ ملا تو آپ کیا کریں گے؟" عمران نے پوچھا۔

"میں دروازہ کھول کر اندر جا سکتا ہوں۔" شبلی نے اکڑ کر کہا۔ "میرے ڈیوڈ سے ایسے ہی تعلقات ہیں۔"

"اچھی بات ہے تو پھر چلیے۔ اگر دروازہ مُقفّل نہ ہو۔!"

"ہاں ہاں... میرا خیال ہے کہ وہ باتھ روم میں ہوگا اور فوریل اپنے کلینک کی طرف نکل گئی ہوگی!" کہتے ہوئے شبلی نے دروازے کا ہینڈل گھمایا اور دروازہ کھلتا چلا گیا۔ پھر وہ اندر داخل ہوتا ہوا عمران سے بولا۔ "آؤ۔ آؤ چلے آؤ۔"

وہ ایک طویل راہداری میں تھے۔ ایک دروازے پر رک کر شبلی نے کہا۔ "یہی ڈیوڈ کا کمرہ ہے۔"
پھر اس نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی لیکن اندر سے کوئی آواز نہ آئی۔

"میرا خیال ہے کہ یہاں بھی آپ کو بے تکلفی کا مظاہرہ کرنا پڑے گا!" عمران آہستہ سے بولا۔
اُس نے اس بار شبلی کی آنکھوں میں بھی اُلجھن کے آثار دیکھے۔ شاید اس دروازے کا ہینڈل گھماتے ہوئے ہچکچا بھی رہا تھا۔ عمران نے اُسے بائیں جانب ہٹنے کا اشارہ کرتے ہوئے ہینڈل گھما کر جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔ لیکن اس سے بھی وہاں کے ماحول میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی اور پھر جب وہ دونوں دروازے کے مقابل ہوئے تو شبلی کے حلق سے گھٹی گھٹی سی چیخ نکل گئی۔ کیونکہ سامنے ہی فرش پر ڈاکٹر ڈیوڈ کے سر اور دھڑ الگ الگ پڑے ہوئے تھے۔

"یہ... یہ... کیا ہے...!" دفعتاً وہ عمران کو جھنجھوڑ کر بولا۔

"کسی نے ڈاکٹر ڈیوڈ کو دو سے ضرب دیدیا ہے!" عمران نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

"تت... تم درندے ہو!" شبلی نے جھنجھلا کر کہا اور بے تحاشہ "قتل... قتل... پولیس... پولیس...!" چیخنے لگا۔

"کیوں بور کر رہے ہیں! خاموش رہیے... سیدھے ریالٹو چلے گئے ہوتے تو کیوں پڑتے اس زحمت میں!"

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا... ایک آدمی قتل ہو گیا ہے۔ لاش تمہارے سامنے پڑی ہوئی ہے اور تم اس طرح کی باتیں کر رہے ہو۔!"

"جو لاش متاثر کرتی ہے اُس سے متاثر بھی ہو جاتا ہوں...!"

"ارے وہ تمہارا علاج کرنا چاہتا تھا!"

"یہی اس کی سب سے بڑی غلطی تھی۔!" عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "اب یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ ڈاکٹر فوریل کا کیا حشر ہوا۔"

"ڈیوڈ میرا دوست تھا۔ بہت اچھا دوست۔!"

"آہستہ بولیے کہیں قاتل آس پاس ہی نہ موجود ہو!"

"میں چوکیدار کو آواز دیتا ہوں۔"

"فی الحال خود کو قابو میں رکھیے اور یہیں ٹھہریے میں ذرا گاڑی تک جانا چاہتا ہوں۔"

"اوہ۔ تو مجھے یہاں تنہا چھوڑ جانے کا ارادہ ہے۔!"

"نہیں۔!"

"تو پھر گاڑی تک کیوں جانا چاہتے ہو۔!"
عمران نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا اور پُر تفکر انداز میں بولا۔

"اچھی بات ہے۔ آپ بھی چلیے... ہاں کیوں نہ پہلے ہم اُس حصے کی طرف چلیں جہاں ڈاکٹر فوریل کا کلینک ہے۔!"

"میں یہی کہتا ہوں فوراً پولیس کو اطلاع دو۔!"

"میں یہی کرنے جا رہا تھا۔ اس عمارت کا فون استعمال نہیں کرنا چاہتا!" عمران نے دروازے کے ہینڈل کو رومال سے صاف کرتے ہوئے کہا۔

وہ راہداری سے نکل کر پھر برآمدے میں آکھڑے ہوئے اور عمران نے صدر دروازے کے ہینڈل کو بھی رومال سے صاف کیا۔

"مم... میں کہتا ہوں چوکیدار... کو آواز دو۔!"

"ٹھہر جائیے... میں پہلے پولیس کو فون کر دوں... میری گاڑی میں وائرلیس سیٹ موجود ہے...!"

"اچھا... اچھا...!" شبلی نے طویل سانس لے کر کہا۔

عمران نے گاڑی میں بیٹھ کر سفری ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن کیا اور دھیرے دھیرے صفدر کو کال کرنے لگا۔

"اِٹ اِز صفدر...!" ریسیور سے آواز آئی۔

"تم یہاں کتنی دیر سے موجود ہو۔!"

"قریباً دو گھنٹے سے!"

"ڈاکٹر ڈیوڈ کا تعاقب کرتے ہوئے آئے تھے!"

"جی ہاں...!"

"اُس کے بعد کوئی اور بھی عمارت میں داخل ہوا تھا!"

"جی ہاں۔ کچھ دیر پہلے سیاہ رنگ کی ایک مرسڈیز!"

"اُس کے علاوہ۔!"

"جی نہیں اس کے علاوہ نہ کوئی گاڑی آئی اور نہ کوئی فرد کمپاؤنڈ میں داخل ہوا۔"

"کوئی باہر نکلا تھا۔!"

"جی نہیں کوئی نہیں۔ کیا آپ عمارت میں موجود ہیں!"

"مرسڈیز میں... میں ہی تھا۔ یہاں ڈاکٹر ڈیوڈ کی لاش ملی ہے!"

"خدا کی پناہ۔! میرا خیال ہے کہ قاتل اب بھی عمارت ہی میں موجود ہوگا!"

"خیر میں دیکھوں گا۔ اب تم عمارت کے عقب میں چلے جاؤ اور اُدھر سے نکاسی کا کوئی راستہ تلاش کرو۔ میں یہاں دیکھتا ہوں۔"

ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کر کے گاڑی سے نکلا اور پھر شبلی کے پاس پہنچ گیا۔

کہا "بہت پسینہ آ رہا ہے!"

"رومال ہے میرے پاس!" شبلی نے ناگواری سے کہا اور جیب سے رومال نکال کر اپنا چہرہ خشک کرنے لگا۔

"کیا فیاض کو فون کیا ہے!" شبلی نے پوچھا۔

"فیاض کو کیوں کرتا۔ علاقے کے تھانے میں اطلاع دی ہے! اب چلیے کلینک کی طرف۔!"

"کیا کروں اُدھر جا کر۔!"

"ڈاکٹر فورڈیل کو اس قتل کی اطلاع نہ دیں گے!"

"تمہارا رویہ میری سمجھ سے باہر ہے!" وہ برآمدے سے اُترتا ہوا بولا اور عمران نے کہا "یہ عمارت آپ کی دیکھی بھالی ہے ۔۔ ورنہ آپ کو زحمت نہ دیتا!"

کلینک میں پہنچ کر شبلی اُسے سیدھا ڈاکٹر فورڈیل کے کمرے کی طرف لیتا چلا گیا۔ ویسے اس وقت کلینک میں بھی سناٹا ہی تھا۔ صرف ایک نرس اور کمپاؤنڈر کے علاوہ اور کوئی نہیں دکھائی دیا تھا۔ ڈاکٹر فورڈیل انہیں دیکھتے ہی کرسی سے اُٹھ گئی۔

"ہیلو مسٹر شبلی۔!" اس نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی وہ عمران کو انکھیوں سے دیکھے جا رہی تھی۔ غالباً اس کے حلیے ہی نے اُسے خصوصی توجہ دینے پر مجبور کر دیا تھا۔

"کیا آپ اپنی بیٹی کو لے آئے ہیں!" فورڈیل نے شبلی سے پوچھا۔

"نہیں۔! لیکن ڈیوڈ...!" شبلی کی آواز تھرا گئی۔

"ڈاکٹر ڈیوڈ آرام کر رہے ہیں۔ کیا انہیں آپ کی آمد سے مطلع کر دیا جائے!"

عمران کی نظر فورڈیل کے چہرے پر تھی۔

"میں ڈیوڈ کے کمرے سے آ رہا ہوں لیکن وہاں اس کی لاش پڑی ہوئی ہے سر دھڑ سے الگ کر دیا گیا ہے۔"

"نہیں۔!" فورڈیل کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

"یقین کیجیے! ہم دیکھ کر آ رہے ہیں۔!"

"بیہوش نہ ہونے پائے!" عمران نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا اور نرس کو آوازیں دیتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا...

نرس اور کمپاؤنڈر کو ڈاکٹر فوربل کی طبیعت کی اچانک خرابی کی اطلاع دی اور وہ دونوں بھی فوربل کے مطب کی طرف دوڑ پڑے۔

وہ سچ مچ بیہوش ہو گئی تھی۔ کلینک کے فون پر عمران نے علاقے کے پولیس اسٹیشن کو اس حادثے سے مطلع کیا... لیکن اس وقت شبلی اس کے پاس موجود نہیں تھا۔ تھانے میں اطلاع دینے کے پانچ منٹ بعد اس نے شبلی سے کہا کہ وہ کیپٹن فیاض کو بھی مطلع کر کے... خود وہیں ٹھہرے۔"

"اور کیا تم جا رہے ہو!" شبلی نے بوکھلا کر پوچھا۔

"مجبوری ہے!" عمران نے بسور کر کہا "کیپٹن فیاض نے مجھے اس لباس میں دیکھ لیا تو ضرور اس کی وجہ پوچھے گا اور میں جھوٹ نہیں بول سکوں گا۔!"

"یعنی کہ...؟"

"صاف صاف بتا دینا پڑے گا کہ ہم کس اڈے سے نکلے تھے!"

"جاؤ... جاؤ... دفع ہو جاؤ!" شبلی مضطربانہ انداز میں بولا۔

عمران نے باہر نکل کر گاڑی سنبھالی اور پھاٹک پر پہنچ کر رکا۔ چوکیدار کو قریب بلا کر اس سے کہا "شبلی صاحب اندر ہیں اور میں پولیس کو اطلاع دینے جا رہا ہوں"

"پپ پولیس کیوں ساب!" چوکیدار ہکلایا۔

"ڈیوڈ صاحب کو کسی نے قتل کر دیا ہے"۔!

"ارے نہیں۔ ساب!" چوکیدار اچھل پڑا۔

"ڈیوڈ صاحب کے آنے سے پہلے یہاں کون آیا تھا؟"

"کوئی نہیں ساب!۔ سارا دن بعد بس آپ لوگ آیا تھا۔!"

"کیا ڈیوڈ صاحب کے ساتھ گاڑی میں اور کوئی بھی تھا؟"

"نہیں ساب اکیلا تھا!"

"اچھا:۔ خیر... تم ہوشیار رہنا ابھی پولیس آجائے گی!" کہہ کر عمران نے گاڑی گیئر میں ڈال دی اور پھاٹک سے نکلا چلا آیا۔ عمارت کے عقب میں پہنچنے کے لیے خاصا لمبا

چکر لینا پڑا تھا۔ عمارات کے اس سلسلے کے بعد ویرانہ ہی تھا۔ تاریکی میں گاڑی کی ہیڈ لائٹ دور دور تک ناہموار زمین پر پھیل رہی تھی۔ جلد ہی اُسے صفدر کی گاڑی میں نظر آ گئی۔ لیکن وہ خالی تھی! عمران نے اپنی گاڑی بھی اسی کے قریب روک دی! پولیس کے پہنچنے سے قبل ہی اُنہیں اِن اطراف سے نکل جانا تھا۔ گاڑی کی لائٹ بجھا کر اس نے انجن بند کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد پیروں کی چاپ سنائی دی۔ کوئی اُدھر ہی آ رہا تھا۔ وہ سنبھل بیٹھا۔

آنے والا صفدر ہی تھا۔ عمران کے استفسار پر بولا "بلاشبہ کوئی عقبی پارک کی دیوار پھلانگ کر اندر پہنچا تھا۔ دیوار پر ایک جگہ نشانات ملے ہیں... اور شاید میں نے اسی شخص کی گاڑی بھی دریافت کر لی ہے جس کا ایک ٹائر فلیٹ ہو گیا ہے اور انجن ابھی تک گرم ہے۔"

"اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ واردات کو زیادہ دیر نہیں گذری؟"

"دراصل ٹائروں کے نشانات نے گاڑی تک رہنمائی کی ہے... گاڑی کو یہاں سے جوں توں لے جا کر قریب ہی ایک خشک نالے میں اُتار دیا گیا ہے۔ نالے کے اُوپر جھاڑیاں ہیں۔ بہرحال جب تک اس گاڑی کی خاص طور پر تلاش نہ ہو کسی کی توجہ اس طرف مبذول نہیں ہو سکتی۔"

"نمبر پلیٹ موجود ہے!"

"جی ہاں... پی کے تھری سکسٹی ایٹ۔ کورولا۔ موڈل سیونٹی سیون!"

"گڈ... تو جلد ہی کوئی اُسے وہاں سے نکال لے جانے کے لیے ضرور آئے گا...!"

"جی ہاں... میرا بھی یہی خیال ہے۔ میں دیکھوں گا۔ بے فکر رہیے! میں نے اُسی نالے میں ایک جگہ اپنے لیے بھی جگہ تجویز کر لی ہے...!"

"محتاط رہنا... چاہو تو اپنی مدد کے لیے کسی اور کو بھی بلا لو...!"

"ضروری نہیں سمجھتا۔!"

"ٹھیک ہے تو میں چلا... پولیس پہنچنے ہی والی ہو گی۔ لیکن دھیان رکھنا کہ

کہیں ٹائروں ہی کے نشانات کے ذریعے پولیس تمہاری گاڑی تک نہ پہونچ جائے۔"

"اس کا بھی انتظام کر لیا جائے گا۔"

"تو پھر میں چلوں۔"

"جی ہاں...!"

دوسری صبح کے اخبارات میں ڈاکٹر ڈیوڈ کے بہیمانہ قتل کی خبر ڈاکٹر فوریل کے تفصیلی بیان کے ساتھ شائع ہوئی تھی جس کے مطابق ڈاکٹر ڈیوڈ اور ڈاکٹر فوریل گہرے دوست تھے۔ ڈاکٹر فوریل خواتین کے امراض کی ماہر تھی۔ خصوصیت سے بانجھ پن کا ازالہ کرنے میں خاصی شہرت رکھتی تھی۔ ڈیوڈ اُسے امریکہ سے یہاں لایا تھا۔ تجویز یہ تھی کہ دونوں مشترکہ طور پر کام کریں گے۔ اس سلسلے میں ڈیوڈ نے یہاں اپنے بعض ذی اثر لوگوں سے رابطہ قائم کیا تھا۔ ساتھ ہی فوریل نے آخر میں یہ بھی کہا تھا کہ ڈیوڈ اُسے ہمیشہ ایک پُراسرار آدمی لگا تھا۔ پتا نہیں کیوں اس کے بارے میں ایک بے نام سی خلش اس کے ذہن میں ہمیشہ رہی تھی۔ ڈاکٹر فوریل نے اُس کے قتل کا شبہ کسی پر بھی ظاہر نہیں کیا تھا... کسی ایسے فرد کی بھی نشاندہی نہ کر سکی جس سے کبھی ڈاکٹر ڈیوڈ کی تلخ کلامی ہوئی ہو۔

بہرحال اس کے بیان کے مطابق ڈاکٹر ڈیوڈ ایک بہت اچھا لیکن پُراسرار آدمی تھا

خبر پڑھ کر شہلا چوہدری نے اپنے باپ کی خواب گاہ کے دروازے پر دستک دی! وہ شاید ابھی سو ہی رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور شہباز چوہدری سامنے کھڑا آنکھیں ملتا نظر آیا۔

"کیا بات ہے رات دیر سے سویا تھا!"

"بڑی اہم خبر ہے ڈیڈی۔"

"کیا بات ہے؟"

"کسی نے ڈاکٹر ڈیوڈ کو قتل کر دیا...!"

"نہیں۔" وہ لڑکھڑا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"خود دیکھ لیجیے۔" اس نے اخبار باپ کی طرف بڑھا دیا۔ دونوں کمرے میں جا

[illegible]

"غالباً آپ کو صدمہ تو ہوا نہ ہوگا۔" شہلا نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"بہت بڑے جنجال سے پیچھا چھوٹا! ہر وقت دھڑکا رہتا تھا نہ جانے کب ذلیل و خوار ہو جاؤں۔" شہباز طویل سانس لے کر بولا۔

"آخر وہ تھا کیا چیز۔"

"بہت بُرا آدمی تھا۔ بس کیا بتاؤں۔ بسا اوقات ہم نادانستگی میں کوئی بہت بڑی غلطی کر بیٹھتے ہیں اور شومئی تقدیر سے کوئی اس پر گواہ بھی ہو جاتا ہے۔ اگر وہ بُرا آدمی ہوا تو غلطی کرنے والے کی پوری زندگی وبال ہو جاتی ہے۔ وہ بہت بڑا بلیک میلر تھا بے بی۔"

"اب تو آپ مطمئن ہیں۔"

"ہاں بظاہر۔ اگر کسی دوسرے بلیک میلر نے اُسے قتل نہیں کیا ہے!"

"کیا مطلب۔"

"بسا اوقات بلیک میلنگ کا مواد ایک گراں بہا خزانے کی طرح ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے!"

"میں نہیں سمجھی۔"

"ہو سکتا ہے کسی دوسرے بلیک میلر نے اُسے قتل کر کے بلیک میلنگ کا سارا مواد اپنے قبضے میں کر لیا ہو۔ اور اب وہ ہمیں بلیک میل کرنا شروع کر دے؟"

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے تنگ آئے ہوئے کسی فرد ہی نے اُسے قتل کر دیا ہو۔ کیا اس دوران میں آپ نے نہ سوچا ہوگا کہ کاش آپ اس کو قتل کر سکتے؟"

"کتنی ہی بار سوچا ہے!"

"ذرا سا پتا تو تھا۔" شہلا حقارت سے بولی "کیا خیال ہے آپ کا ڈاکٹر فوریل واقعی اس کی اصلیت سے واقف نہ ہوگی۔"

"خدا ہی جانے۔ ڈیوڈ کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ کسی خاص مقصد کے حصول ہی کے لیے اس کو یہاں لایا ہوگا۔ ہو سکتا ہے وہ اُسے بھی بلیک میل ہی کرتا رہا ہو۔"

"لیکن وہ اس کا اعتراف کیوں کرنے لگی۔" شہلا نے کہا۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور شہباز نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اُٹھا لیا۔ دوسری طرف سے ایک انجانی سی آواز آئی اور شہباز نے کہا "ہاں میں شہباز ہی ہوں۔"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ڈیوڈ کی موت کے بعد تم آزاد ہو گئے ہو۔"

"تم کون ہو۔" شہباز نے گرج کر پوچھا۔ اُسے انگلش میں مخاطب کیا گیا تھا اور بولنے والے کا لہجہ غیر ملکی تھا۔

"میں کوئی بھی ہوں" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ڈیوڈ محض ایک مُہرہ تھا اور میرے لیے کام کرتا تھا... اس کی موت سے حالات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اور اب تم براہِ راست ڈاکٹر منوریل سے تعاون کرو گے۔"

شہباز نے کچھ کہنا چاہا پھر اضطراری طور پر ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا اور کرسی کی پشت گاہ سے ٹک کر ہانپنے لگا۔ چہرے پر خوفزدگی کے آثار گہرے ہوتے جا رہے تھے۔

"کون تھا۔ کیا بات ہے ڈیڈی..." شہلا اُسے حیرت سے دیکھتی ہوئی بولی

"کچھ نہیں کوئی نہیں! جاؤ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

لہجہ اتنا خراب تھا کہ شہلا وہاں نہ رک سکی لیکن اس کی فکرمندی میں اس رویّے سے مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کیا اس کے باپ کا یہ خیال درست ثابت ہوا ہے کہ ڈیوڈ کی موت کسی دوسرے بلیک میلر کے ہاتھوں واقع ہوئی ہے اور اب سارا بلیک میلنگ اسٹف اُس کے قبضے میں آ گیا ہے۔ وہ سوچتی اور اُلجھتی رہی۔ اسی عالم میں ناشتے کی میز تک پہونچی لیکن آج اُسے تنہا ناشتہ کرنا پڑا۔ باپ نے ناشتہ خلافِ معمول اپنی خواب گاہ میں کیا تھا۔ شہلا کی تشویش بڑھتی چلی گئی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سلسلے میں کیا کرے۔ دفعتاً اُسے عمران یاد آیا جس نے پوری طرح اُن کے معاملات کی پردہ پوشی کی تھی۔ یعنی کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا تھا جس کی بنا پر پولیس شاہد کے سلسلے میں براہ راست اس سے یا اس کے باپ سے پوچھ گچھ نہیں کر سکی تھی۔ کسی نے ان کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھا تک نہیں تھا۔ تو پھر کیا اِس سلسلے میں اُسی سے رابطہ قائم کیا جائے۔

وہ سوچ ہی رہی تھی کہ ایک ملازم نے کسی کا کارڈ دیا جس پر نظر پڑتے ہی

وہ مضطربانہ انداز میں اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیا تم نے اُنہیں سٹنگ روم میں بٹھا دیا ہے!" اس نے ملازم سے پوچھا۔

"جی ہاں...!"

اور جب وہ سٹنگ روم میں پہونچی تو انسپکٹر شاہد اُس کا منتظر تھا۔

"تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں!" وہ اُٹھتا ہوا بولا۔

"اوہ۔ کوئی بات نہیں تشریف رکھیے۔ اب آپ کیسے ہیں؟"

"میں پہلے ٹھیک تھا اور اب بھی ٹھیک ہوں۔ پتا نہیں کیوں میری ٹانگ پر پلاسٹر چڑھا دیا گیا تھا۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"ہڈی کہیں سے بھی نہیں ٹوٹی تھی۔"

"تو آپ ہم پر کوئی فردِ جرم عائد کرنے آئے ہیں!"

"قطعی نہیں! بس تصدیق کرنی تھی۔ اس نے سوچا تھا۔ شائد کسی اور نے آپ کا یا آپ کے ڈیڈی کا نام لے لیا ہوگا۔"

"جی نہیں! وہ میں ہی تھی لیکن جو لوگ آپ کو اٹھا کر لائے تھے اُن کے ساتھ ایک ڈاکٹر بھی تھا اور اسی نے ہمیں بتایا تھا کہ آپ کی ٹانگ کی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں۔"

"بہرحال اسی لیے میں اب مناسب نہیں سمجھتا کہ اس سلسلے میں آپ لوگوں کا نام لیا جائے کیوں کہ آپ لوگوں کو بھی دھوکا دیا گیا ہے لیکن کیا آپ بتا سکیں گی کہ آپ کی رہی کوٹھی سے مجھے کون لے گیا تھا!"

"خدا جانے۔ بس آپ رات کو حیرت انگیز طور پر غائب ہو گئے تھے!"

شاہد طویل سانس لے کر رہ گیا۔

"تو آپ ہم لوگوں کا نام نہیں لیں گے۔" شہلا نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں! خواہ مخواہ آپ لوگوں کو دشواری میں ڈالنے سے کیا فائدہ؟"

"واقعی اس سلسلے میں ہم آپ کے ہمیشہ احسان مند رہیں گے۔"

"کیا آپ اُن لوگوں میں سے کسی کا حلیہ بتا سکیں گی جو مجھے بحالتِ بیہوشی آپ کی کوٹھی میں لے گئے تھے!"

"اُس وقت وہاں نہ میں موجود تھی اور نہ ڈیڈی۔ ملازموں اور خاندان کے چند دوسرے افراد نے آپ کی دیکھ بھال کی ذمہ داری قبول کی تھی اور میرا خیال ہے کہ اُن لوگوں کو شائد ہی کسی کا حُلیہ یاد ہو۔"

"اچھا تو اب اجازت دیجئیے!"

"یہ کیسے ممکن ہے! کم از کم کافی تو پیجئیے!"

"نہیں شکریہ! پھر کبھی ویسے بر سبیل تذکرہ... کیا آپ مسٹر علی عمران کو جانتی ہیں؟"

"آپ اپنے محکمے کے ڈائرکٹر جنرل کے صاحبزادے کی بات تو نہیں کر رہے!"

"جی ہاں وہی۔"

"میں انہیں جانتی ہوں! کبھی کبھی رائفل کلب میں ملاقات ہوتی ہے۔"

"کیا وہ اُس دوران میں اُس دیہی کوٹھی میں آئے تھے جب میں بے ہوش پڑا ہوا تھا؟"

"نہیں تو۔ وہاں اُن کا کیا کام...!"

"اچھا بہت بہت شکریہ!"

وہ چلا گیا اور شہلا سوچتی رہی کہ آخر اس ملاقات کو کس خانے میں فٹ کرے۔ سٹنگ روم سے اُٹھی ہی تھی کہ اس کا باپ آگیا۔

"ابھی کون آیا تھا!" اس نے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا۔

"انسپکٹر شاہد... جس کی ٹانگ پر پلاسٹر چڑھا کر ڈاکٹر ڈیوڈ نے ہمارے حوالے کیا تھا!"

"کیا کہہ رہا تھا!" شہباز چوہدری نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"یہی کہ اس نے اپنی رپورٹ میں ہمارا ذکر نہیں کیا!"

"آخر کیوں؟ اس میں کیا چال ہوسکتی ہے؟"

"میں کیا جانوں!" شہلا جھنجھلا کر بولی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کا باپ اتنا بُزدل ہے۔

"اب تم کسی سے بھی نہیں ملوگی۔ کوئی بھی آئے ملنے سے انکار کر دو۔!"

"آخر کیوں؟"

"اس لیے کہ ہم اِس جنجال سے نہیں نکل سکے! ڈیوڈ کسی نامعلوم آدمی کا نمائندہ تھا۔!"

"میں نہیں سمجھی!"

"کچھ دیر قبل تمہاری موجودگی میں جو کال آئی تھی اُسی کی تھی۔ انگلش بولنے والا کوئی غیر ملکی تھا۔ اُس نے ہدایت کی ہے کہ اب مجھے براہِ راست ڈاکٹر فوریل سے تعاون کرنا ہوگا۔!"

"اور اصل بلیک میلر وہی ہے!۔"

"ہاں اس نے یہی کہا ہے۔ تمہارے سامنے ہی میں نے جھنجھلا کر ریسیور رکھ دیا تھا لیکن تمہارے چلے جانے کے بعد پھر اُسی کی کال آئی۔ کیا تم علی عمران نامی کسی شخص کو جانتی ہو!"

"اُوہ۔ ہاں۔ کیوں؟ اُس کا یہاں کیا ذکر۔!"

"مجھ سے کہا گیا ہے کہ اگر وہ شخص یہاں آئے تو میں اُسے کسی مشروب میں بے ہوشی کی دوا دے دوں اور اس کے بے ہوش ہو جانے پر اُسے مطلع کر دوں لیکن یہ علی عمران ہے کون۔!"

"سی آئی بی کے ڈائرکٹر جنرل کا لڑکا۔!"

"خدا جانے کیا ہونے والا ہے!"

"اب تو ڈیڈی آپ کو بتانا ہی پڑے گا کہ آپ کس سلسلے میں بلیک میل ہو رہے ہیں اور یہ لوگ آخر چاہتے کیا ہیں؟"

"فضول باتیں مت کرو!" وہ پیر پٹخ کر دھاڑا۔ "ہمیں وہی کرنا پڑے گا جو ہم سے کہا جا رہا ہے..." پھر وہ صوفے پر گر گیا اور کسی ننھے سے بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

شہلا ہکا بکا کھڑی رہ گئی۔